جلد 13 شمارہ 2 جنوری 2011ء صفر 1432ھ

ماہنامہ

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِیْ الْأَرْضِ إِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِیْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ

(ھود۔6)

## ترجمہ

زمین پر کوئی چلنے والا جاندار نہیں مگر اِسکا رزق اللہ کے ذمے ہے۔

وہ اس کے مستقل اور عارضی ٹھکانے کو جانتا ہے۔

سب کچھ کتاب روشن میں ہے۔

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا

نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاد

تقسیم کنندہ : نعمان احمد
0300-6452570

ڈیزائنگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق

مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی
ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین
پیر خان، عتیق احمد عباسی
ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر غلام شبیر شاہد
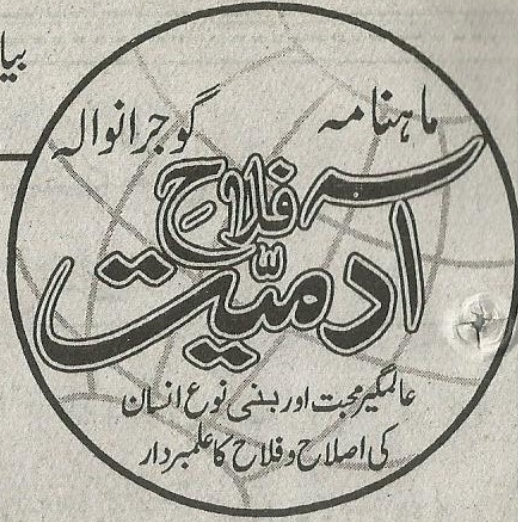
شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)
وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر: 0321-6400942
فیکس نمبر: +92-55-3736841
ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— -/25 روپے
سالانہ فنڈ ———— -/250 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

# اس شمارے میں

# درس قرآن

(ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک)

## القصص

### دنیوی اسباب کی حقیقت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَا أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ٥ (القصص:60)

''تمہیں اس دنیا میں جو کچھ دیا گیا ہے، یہ چند روزہ استعمال کی چیز ہے۔ یہ بہت جلد تم سے چھن جانے والی ہے اور اللہ کے ہاں تمہارے لئے بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا اجر ہے''۔

اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور اس کی لذتوں کو چھوڑنے کا حکم نہیں دے رہے بس اتنی موٹی سی بات سمجھ لینا چاہئے کہ یہ دنیا عارضی متاع ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے، اس لئے آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا ہے اور اس دنیا کو آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ بنانا ہے جیسا کہ آگے چل کر اس کا ذکر ہے۔ قارون سے یہی بات کہی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا میں جو کچھ دے رکھا ہے، اس کو دارِ آخرت کے حصول کا ذریعہ بناؤ۔

### رہبانیت وترکِ دُنیا کی ممانعت

دُنیا کو چھوڑنا نہیں کیونکہ آخرت کی راہ اسی دنیا کے اندر سے گزر کے جاتی ہے۔ دُنیا کو آخرت کے حصول کا ذریعہ بنانا ہے کیونکہ کسی پہاڑ کی کھوہ یا کسی غار میں سے آخرت کو کوئی راستہ نہیں جاتا۔ آخرت کا راستہ اسی دنیا کے اندر سے جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں رہبانیت اور ترکِ دُنیا نہیں، اس لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو ذرائع دے رکھے ہیں، ان کو یوں استعمال کرو کہ دارِ آخرت پا جاؤ اور دنیا سے بدنصیب ہو کر نہ جاؤ۔ اس آیت سے لوگ یہ مراد لیتے

ہیں کہ دنیا میں اپنے نصیب کو خوب حاصل کرو حالانکہ دنیا میں تمہارا نصیب وہ ہے جو تم نے کھالیا، پہن لیا اور جو تم نے آگے بھیج دیا، وہ باقی رہ گیا۔

## قارون کون تھا؟

روایات میں ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد یا خالہ زاد بھائی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص ابتداء میں نیک تھا اور اپنی خوبصورتی کی وجہ سے ''منور'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ لیکن جب اس کے پاس مال زیادہ ہوا تو اس کے اندر نفاق اور سرکشی پیدا ہوئی اور وہ مرتد اور باغی ہو گیا۔

درج ذیل آیاتِ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے قارون کی خصلت، اس کے وافر مال اور اس کی بداعمالیوں کا تذکرہ کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَ آتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ (76) وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (77)

''بلاشبہ قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا۔ وہ (مال کی کثرت کی وجہ سے) لوگوں پر زیادتی کرنے لگا اور ہم نے اسے خزانے دیے تھے کہ ان چابیاں (اٹھاتے وقت) ایک طاقت ور جماعت کو بھی تھکا دیتی تھیں۔ ان کی قوم نے کہا کہ (اس دولت پر) مت فخر کر کیوں اللہ تعالیٰ فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو مال اللہ نے تجھ کو دیا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی اسی طرح تو بھی لوگوں

کے ساتھ بھلائی کر اور ملک میں فساد پھیلانے کا ارادہ مت کر کیونکہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

## موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے قارون کو دعوتِ حق

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کے پاس اللہ رب العزت کا پیغام پیش کیا جس میں حکمت و نصیحت کے ساتھ دین کی دعوت تھی۔ لیکن قارون نے اس سے راہِ فرار اختیار کی۔ قارون کا اپنا لاؤ لشکر تھا اور دولت کی ریل پیل تھی۔ اس لئے اس نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے انتہائی دلیری اور ڈھٹائی سے دعوتِ الٰہی کو ٹھکرا دیا اور باغی ٹھہرا۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے وہ واجب القتل ہوتا ہے اور جو شخص اوروں کیلئے کنواں کھودتا ہے تو وہ سب سے پہلے اس میں خود گرتا ہے باالفاظ دیگر سرکش اور باغی کو اس کا انجام دنیا میں ہی نظر آ جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَى (6) أَن رَّآهُ اسْتَغْنَى (7) إِنَّ إِلَى رَبِّكَ الرُّجْعَى (8)

''مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان سرکشی کرنے لگتا جب وہ اپنے آپ کو مالدار پاتا ہے۔ بلاشبہ (سبھی کو) تمہارے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

## ایک اور اشکال اور اس کا جواب

روزمرہ کی زندگی میں اگر ہم مشاہدہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی سرکشی، بغاوت اور گناہ کے باوجود بھی اس پر نعمتوں کی بارش کر رہا ہے تو یہ نرمی اللہ کی طرف سے ایک طرح کی ڈھیل ہے۔

فَلَمَّا نَسُواْ مَا ذُكِّرُواْ بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُواْ بِمَا أُوتُواْ أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ (44) فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُواْ وَالْحَمْدُ لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (45)

''جب وہ اِس نصیحت کو بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر طرح کی خوشحالی کے دروازے کھول دیئے تھے یہاں تک کہ جب اِن چیزوں پر جو ان کو دی گئی تھیں وہ خوشیاں منانے لگے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ پس وہ اِس وقت مایوس ہو کر رہ گئے۔ غرض ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی اور ہر طرح کی تعریف خاص اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔

## نظامِ کائنات ۔۔۔ آفاقی ممتا

اِس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی ان صفات کا تذکرہ ہے جن کے روزمرہ مشاہدے کے ذریعے سے آدمی کو غور و تدبر کی دولت نصیب ہوئی اور پھر یہ غور و فکر ایمان کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا یُشْرِکُونَ (68) وَرَبُّکَ یَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا یُعْلِنُونَ (69) وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْأُولَى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُکْمُ وَإِلَیْهِ تُرْجَعُونَ (70) قُلْ أَرَأَیْتُمْ إِن جَعَلَ اللَّهُ عَلَیْکُمُ اللَّیْلَ سَرْمَداً إِلَى یَوْمِ الْقِیَامَةِ مَنْ إِلَهٌ غَیْرُ اللَّهِ یَأْتِیکُم بِضِیَاء أَفَلَا تَسْمَعُونَ (71) قُلْ أَرَأَیْتُمْ إِن جَعَلَ اللَّهُ عَلَیْکُمُ النَّهَارَ سَرْمَداً إِلَى یَوْمِ الْقِیَامَةِ مَنْ إِلَهٌ غَیْرُ اللَّهِ یَأْتِیکُم بِلَیْلٍ تَسْکُنُونَ فِیهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (72) وَمِن رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَکُمُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْکُنُوا فِیهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُونَ (73)

''اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے، منتخب کر لیتا ہے۔ ان کو (معبودانِ باطل) اس کا کوئی اختیار نہیں ۔ یہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، وہ اِس سے پاک و بلند تر ہے۔ اور اس کے سینے میں جو کچھ پوشیدہ ہے اور جو یہ ظاہر کرتے ہیں، تمہارا رب اس کو جانتا ہے اور وہی اللہ ہے، اِس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ۔ دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے۔ اسی کیلئے حمد ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، فرمانروائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے

جانے والے ہو۔ اے نبیؐ! اِن سے کہو: کبھی تم لوگوں نے غور کیا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کیلئے رات طاری کردے تو اللہ کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہیں روشنی لادے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ اِن سے پوچھو: کبھی تم نے سوچا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کیلئے دن طاری کردے تو اللہ کے سوا وہ کونسا معبود ہے، جو تمہیں رات دے تاکہ تم اِس میں سکون حاصل کرو اور دن میں اپنے رب کا فضل حاصل کیا کرو، شاید کہ تم شکرگزار بنو۔

اللہ تعالیٰ نے ایک نظام بنایا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بہت بڑا کرشمہ ہے، رات آتی ہے اور ہر شخص کو پتا ہوتا ہے کہ آرام کرنا ہے، سورج طلوع ہوتے ہی ہر ایک کو پتا ہوتا ہے کہ اب کام کرنے کا وقت ہے۔ اگر یہ رات اور دن نہ ہوتے تو ہم کبھی کسی وقت پہ متفق نہ ہوتے کہ کب دفتر جانا ہے، کب سونا اور کب جاگنا ہے۔ آپ کسی سے ملنے جاتے، وہ سویا ہوا ہوتا، آپ کسی دفتر میں جاتے پتہ چلتا، یہ تو اِس کی چھٹی کا وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں اتفاقِ رائے پیدا کردیا کہ اب سارے ہی سو جاؤ اور اب سارے ہی جاگ اُٹھو۔ اب کام کرو اور اب آرام کرو۔

تو رازِ محبت کو سمجھتا ہی نہیں ورنہ
بندیِ انساں ہی آزادیِ انساں ہے

## اللہ کی رحمت اور ماں کی ممتا۔۔۔ایک عمدہ مثال

جب میں بچپن میں پڑھتا تھا تو مجھے عادت تھی کہ کسی کام میں لگ جاتا تو جب تک وہ ختم نہ ہو جاتا، مجھ پہ ایک جنون سا طاری رہتا۔ دیر ہو جاتی، رات کو گیارہ، بارہ ایک بج جاتا تو امی جان رحمۃ اللہ علیہا پریشان ہو کر بتی بجھا دیتیں تاکہ میں جبراً آرام کروں۔ یہ جو اللہ تعالیٰ رات کو بتی بجھا دیتے ہیں یعنی سورج غروب ہو جاتا ہے، یہ ممتا کی رحمت کا ایک عکس ہے کہ دن کی روشنی میں تم نے بہت کام کیا، تمہارے اعضاء اب تھک گئے، اب آرام کرو۔ یہ اس کا نظام ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ نہ کرے تو اللہ کے سوا کون ہے جو رات اور دن کو بدل بدل کے لے آتا ہے؟ خدانخواستہ وہ رات لمبی کردے، دن آنے نہ پائے تو کیا کرو گے؟

## آسمانی روشنی کی قیمت

یہ جو روشنی آسمان سے آتی ہے۔ یہ بڑی قیمتی چیز ہے آپ بجلی کا بل دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو روشنی سورج سے روزانہ بھیجتے ہیں اور وہ دس ارب سال سے آ رہی ہے اور آئندہ نامعلوم کتنے سال تک آتی رہے گی، اللہ تعالیٰ نے کبھی اس کا بل نہیں مانگا۔ دنیا والے تو عدم ادائیگی کے باعث روشنی بند کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہے کہ اس نے نہ کبھی اپنی روشنی کیلئے کسی بل کی ادائیگی کا مطالبہ کیا اور نہ عدم ادائیگی کی صورت میں روشنی بند کی۔ اسی لئے فرمایا:۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ

''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو شمار میں نہ لا سکو گے''۔

## قارون کی مذمت

قارون نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ تمام نعمتیں اور مال و دولت میری ذاتی مہارت، چالاکی اور ہوشیاری کا نتیجہ ہے کہ میں مال کمانے کے طریقے سے واقف تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا اور جو کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے تو اس سے نعمتیں چھن جاتی ہیں۔ اسی سبب اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر قارون کی مذمت فرمائی۔

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَى عِلْمٍ عِندِي أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ (78)

''قارون یہ سن کر کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنر مندی سے ملا ہے۔ کیا اس کو معلوم نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جو قارون سے قوت میں سخت اور جمعیت میں بہت زیادہ تھیں اور گناہگاروں سے ان کے گناہ کے بارے میں نہ پوچھا جائے''۔

## قارون کی سرکشی

اس عبرت آموز ذکر کے بعد قارون کی سرکشی کا بیان عبرت کیلئے ہے کہ موسیٰ علیہ

السلام نے اِسے راہ سجھائی تو اس نے سرکشی کی۔ دراصل اس کو اپنی بے انداز دولت کا غرور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

1۔ غرور مت کر کیونکہ یہ بات اللہ کو ناپسند ہے۔
2۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کے ذریعے سے آخرت کی بھلائی تلاش کر۔
3۔ دنیا سے بے نصیب اور خالی ہاتھ نہ جا۔
4۔ لوگوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کے ساتھ پیش آ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے۔ دُنیا میں فساد نہ پھیلا!

اِن نصیحتوں کو سن کر وہ شیخی بگھارنے لگا کہ یہ مال تو میرے زورِ بازو اور محنت کا ثمر ہے۔ اس کو بھی عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِن فِئَةٍ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ (81) وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَوْلَا أَن مَّنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ (82)

''پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہوسکی اور نہ وہ بدلے لے سکا اور وہ لوگ جو کل اس کے اجر کی تمنا کیا کرتے تھے، صبح کو کہنے لگے، بے شک اللہ ہی جس کیلئے چاہتا ہے، اس کا رزق فراخ کرتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے۔ اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہم کو بھی زمین میں دھنسا دیتا''۔

اللہ تعالیٰ نے قارون اور اس کی دولت کو زمین میں دھنسا دیا۔ اس واقعہ میں قارون کی قماش کے لوگوں کے لئے سامانِ عبرت ہے اور خاص طور پر وہ تاجر حضرات جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھولے بیٹھے ہیں، وہ نہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور نہ ہی آخرت کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔ ایسے تمام لوگوں کو زمین کے اندر دھنسا دینا اللہ کیلئے کوئی بعید نہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بہت سے

مسلمانوں کے پاس لاکھوں اور کروڑوں روپے موجود ہیں لیکن اس کے باوجود وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ اللہ ربُّ العزت ہمیں اپنی پناہ میں رکھے اور اس عذاب سے محفوظ فرمائے اور اپنی یاد اپنی شکر گذاری اور اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔

## مومن و کافر کی ذہنیتوں کا بنیادی فرق

قارون بد بخت تھا۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے جو دولت بھی کمائی ہے، یہ میری اپنی مہارت اور علم کا نتیجہ ہے۔ میں نے اپنی محنت اور سعی سے یہ سب کچھ حاصل کیا ہے، میں نے اللہ سے کوئی بھیک نہیں مانگی۔ دراصل قارون اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے شخص میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ قارون دولت کو اپنی ذاتی کاوش کا نتیجہ کہتا ہے تو دوسری طرف سلیمان علیہ السلام کہ جنہیں اللہ تعالیٰ دولت، ثروت، عزت اور جاہ و جلال سے نوازتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں۔

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ ۝

''یہ میرے پروردگار کی دین ہے''۔

یوں کہہ لیں کہ یہ ایک بنیادی فرق ہے مومن اور کافر کی ذہنیت میں۔ مومن ہر شے کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتا ہے اور کسی چیز کا کریڈٹ خود نہیں لیتا۔ اس کے برعکس کافر ہر نعمت الٰہی کو اپنا ذاتی کمال سمجھتا ہے اور کہیں بھی اللہ تعالیٰ کے شکر کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

### دارِ آخرت کا وارث کون؟

یہ سارا قصہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نتیجہ یہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (83)

''آخرت کا گھر تو ہم اِن لوگوں کیلئے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقین ہی کیلئے ہے''۔

یعنی دارِ آخرت، ہامان اور قارون جیسے لوگوں کیلئے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کیلئے ہے جو زمین

میں اقتدار کی ہوس نہیں رکھتے اور دنگا فساد سے بچتے ہیں۔

## کامیابی کی شرائط

اِس کے بعد آخرت کے چند مناظر عبرت کیلئے بیان کئے گئے ہیں کہ مشرک اس روز اندھے ہو جائیں گے اور کامیابی و کامرانی ان لوگوں کا مقدر ہو گی جو

1۔ شرک سے تائب ہوئے۔

2۔ ایمان لائے۔

3۔ ایمان کے بعد نیک عمل کرتے رہے۔

## ہوسِ اقتدار فساد کا اصلی سبب

اِن آیات سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دنیا میں فساد کا اصلی سبب ہوس اقتدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''علوّ'' اور ''فساد'' دونوں لفظوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ اگر ہوسِ اقتدار نہ ہو اور اخلاص کے عالم میں اجتماعی کام کیے جائیں تو پھر عام سادہ سی نیکیوں کا اجر بھی آخرت میں کئی کئی گنا زیادہ ہو کر ملے گا۔

اِس سورۃ کے اختتام سے قبل نبی ﷺ سے خطاب ہے۔

وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَى إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيراً لِّلْكَافِرِينَ (86) وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (87) وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (88)

''اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی۔ مگر تمہارے رب کی مہربانی ہے۔ اب تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ بننا۔ وہ آپ کو اللہ کی آیات کی تبلیغ سے روک نہ دیں حالانکہ وہ آپ پر نازل ہو چکی ہیں۔ اور اپنے رب کو پکارتے رہو اور مشرکوں سے ہرگز نہ ہونا اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکارنا۔ اِس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اِسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے''۔

(درس حدیث)

# تمنائے شہادت

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی میں حضرت انسؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان یوں مروی ہے۔

ما احد يد خل الجنة يحب ان يرجع الى الدنيا وماله على الارض من شىء الا الشهيد يتمنى ان يرجع الى الدنيا فيقتل عشر مرات لما يرى من فضل الشهادة ۝

جنت میں پہنچنے کے بعد کوئی شخص بھی دنیا میں لوٹنا پسند نہیں کرتا کیونکہ زمین پر اس کا کچھ نہیں رہ جاتا۔ مگر شہید جب شہادت کے انعامات کو دیکھتا ہے تو یہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ کاش وہ دنیا میں لوٹا دیا جائے اور دس بار قتل ہو۔

اِس حدیث کی تشریح سننے سے پہلے ایک ضروری بات یہ ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قرآن اور حدیث کی زبان میں اتنا ہی فرق ہے جتنا خود اللہ اور اس کے رسولؐ میں ہے۔ عربیت سے معمولی ممارست رکھنے والا بھی اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ قرآن کا اندازِ بیان ہی کچھ ایسا ہے کہ زبانِ رسالت سے صاف ممتاز ہو جاتا ہے۔ ادنیٰ عربی دان بھی جانتا ہے کہ قرآن رسول اللہؐ کی زبان نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں احادیث میں زیادہ تر حصہ ایسا ہے جو بعینہ رسولؐ کے الفاظ میں نہیں۔ احادیث کا نوے فیصد حصہ روایت بالمعنی ہے۔ اِسی لئے قرآن اور حدیث کی زبان بالکل دوجداگانہ حیثیت کی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی اصطلاحات ایسی ہیں جو قرآن میں موجود نہیں لیکن احادیث اور فقہ میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً!

(۱) وضو یا توضی قرآن میں نہیں۔ قرآن میں طریقہ وضو تو ہے لیکن لفظ وضو کی اصطلاح اس میں نہیں۔ یہ اصطلاح احادیث میں بکثرت پائی جاتی ہے اور اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ''فاغسلوا وجوھکم۔۔۔الی الکعبین کی پوری ترجمانی ایک لفظ میں ہو جاتی ہے۔

(۲) یا مثلاً یمین لغو کی اصطلاح فقہ میں اس قسم کے لئے ہے جو ماضی پر کھائی جائے اور وہ بھی خطاً ہو۔ لیکن قرآن میں **لا یواخذ کم اللّٰہ باللغو فی ایمانکم**۔ الخ میں یمین لغو اس معنی میں نہیں، بلکہ یہ وہ قسم ہے جو کسی ارادے کے بغیر رواروی میں کھائی جائے۔ اگر ماضی پر عمداً قسم کھائی جائے تو اِسے فقہ میں ''یمین غموس'' کہتے ہیں۔ فقہ میں ان دونوں قسم کی قسموں کا کفارہ نہیں ہے۔ کفارہ جس قسم پر ہے اُسے ''یمین کفارہ'' کہتے ہیں، جو مستقبل پر کھائی جائے اور اللہ کے نام یا کسی صفت کے ساتھ کھائی جائے۔ قرآن میں یمین غموس کا کوئی لفظ نہیں اور نہ ماضی و حال و مستقبل کی کوئی تصریح ہے۔

غرض ایسی متعدد اصطلاحیں ہیں جو قرآن میں سرے سے نہیں اور احادیث وفقہ میں ہیں یا قرآن میں اگر ہیں تو کسی اور معنی میں ہیں اور احادیث وفقہ میں ہیں تو کسی اور مفہوم کیلئے ہیں۔ ایسا کیوں ہے اور اس کا آغاز کس طرح ہوا اور اس کے نتائج کیا ہیں؟ یہ سوالات بڑے اہم ہیں لیکن ان کا جواب اِس وقت اس وقت میرے پیش نظر نہیں۔

کہنا صرف یہ ہے کہ لفظ شہید بھی ایک ایسی ہی اصطلاح ہے جس کا قرآنی مفہوم کچھ اور ہے پھر آگے چل کر کچھ اور ہوتا گیا۔ قرآنِ کریم میں لفظ شہادت اور اس کے مشتقات کم وبیش سو جگہ ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ کہیں بھی اِس مفہوم میں نہیں جس میں ہم لوگ ہمیشہ سے استعمال کرتے آئے ہیں۔ ہمارے سامنے جب لفظ شہید آتا ہے تو چشم تصور میں ایک ایسا لاشہ آجاتا ہے جس کا سر دھڑ سے الگ ہو چکا ہو، اعضاء کٹے ہوئے ہوں، خاک وخون میں جسم لتھڑا ہوا ہو اور بے حس وحرکت میدانِ قتال میں یا قبر میں پڑا ہو۔ لیکن قرآن میں ''شہید'' اِن معنوں میں کہیں نہیں آتا۔

شہید خدا بھی ہے: **اِنَّ اللّٰہَ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدُo**

شہید رسول بھی ہے: **وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًاo**

شہید اُمت بھی ہے: **لِتَکُوْنُوْا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِo**

لفظ شہید وشہادت کی تفسیر اِس وقت پیش نظر نہیں۔ تاہم اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان کی سچی

عملی گواہی کو شہادت کہتے ہیں۔ یہ گواہی زبان سے بھی ہوتی ہے، ہاتھ پاؤں سے بھی، مال سے بھی اور جان سے بھی۔ غرض جس چیز سے بھی ایمان کی عملی گواہی دینے کا موقع ہو اس چیز سے گواہی دینے والا شہید ہوتا ہے۔ عزت، عہدہ، وطن، اقارب، خواہش، وقت، دل، دماغ، اعضاو جوارح، زبان، جان، مال جس چیز سے گواہی دینے کا وقت آئے، اسی چیز سے گواہی دینی شہادت ہے۔ اگر زندہ رہ کر گواہی دینی پڑے تو زندہ رہنا شہادت ہے اور مر کر یہ گواہی دینے کی ضرورت پیش آئے تو مر کر گواہی دینی شہادت ہے۔ یعنی صرف مر جانا ہی شہادت نہیں۔ زندہ بھی اسی طرح شہید ہو سکتا ہے جس طرح مرنے والا۔ قرآن نے راہِ خدا میں مارے جانے کیلئے شہادت کا لفظ نہیں بلکہ قتل فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کیا ہے:۔ **وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ** اور **وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قتلوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ امواتا**۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ راہِ خدا میں جان دینے والا شہید نہیں ہوتا۔ وہ بھی شہید ہوتا ہے۔ لیکن صرف وہی شہید نہیں ہوتا زندہ بھی شہید ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی زندگی سے شہادتِ ایمانی پیش کر رہا ہو۔ پس شہید صرف عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ ہی نہیں ابوبکرؓ بھی شہید ہیں۔ فقط حمزہؓ ہی شہید نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہیں۔ صرف حسنینؓ ہی شہید نہیں بلالؓ اور ابوذرؓ بھی شہید ہیں۔ ہاں چونکہ جان کے بعد اور کوئی چیز گواہی کیلئے نہیں رہتی۔ اس لئے لفظ شہید کا اطلاق اس پر ایسا ہی ہے جیسے فردِ اکمل پر کسی چیز کا اطلاق ہو۔ لیکن یہ ہر وقت پیش نظر رہنا چاہیے کہ شہادت صرف اسی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جنگ میں کافر کے ہاتھ سے مارا جانے والا بھی شہید ہے اور اپنی موت سے مرنے والا بھی۔ شرط سچی عملی گواہی کی ہے۔

قرآن کے بعد احادیث میں لفظ شہید قتیل فی سبیل اللہ کے معنوں میں بکثرت آتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک مختصر سا لفظ ہے جو **من یقتل فی سبیل اللہ** کی پوری عبارت کا مفہوم ادا کر دیتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح **فاغسلوا وجوھکم الخ** کا پورا مفہوم لفظ وضو میں آجاتا ہے۔ لیکن بعد میں قرآنی اصطلاح کی وسیع عمومیت تنگ ہو کر رہ گئی اور یہ سمجھا جانے لگا کہ شہید فقط وہی ہوتا ہے جو راہِ خدا میں قتل ہو جائے، دوسرا نہیں ہوتا۔ پھر اس

تنگی کے ساتھ ایک دوسری وسعت بھی پیدا ہوگئی یعنی ہر نقصان کو شہادت سے تعبیر کیا جائے لگا۔ آپ ہمیشہ سنتے ہیں کہ فلاں مسجد شہید ہوگئی۔ فلاں مسجد کا مینارہ یا سیڑھی یا محراب یا منبر شہید کر دیا گیا۔ پھر فلاں کا دانت شہید ہوگیا۔ اتنا ہی رہتا تو غنیمت تھا۔ آگے چل کر پھر یہ ہوا کہ ہر چھٹے ہوئے بدمعاش کو ''شہدا'' کہنے لگے۔ جیسے لفظ ''حضرت'' بزرگوں کیلئے بھی استعمال کرتے ہیں اور بدمعاشوں کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ یہ ''بڑے حضرت ہیں''۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ قرآنی اصطلاح سے ذرا ہٹنے کا نتیجہ کیا ہوا؟ یا تو اتنی تنگی پیدا ہوگئی کہ صرف مرنے والے ہی شہدا کے لقب سے نوازے جانے لگے یا پھر اتنی وسعت پیدا ہوگئی کہ اوباش قسم کے لوگوں کو بھی شہدا میں داخل کر لیا گیا اور ہر متبرک چیز کا نقصان بھی شہادت کا مترادف ہوگیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مندرجہ ذیل آیات میں ''شہدا'' مقتولین فی سبیل اللہ کے معنی میں آیا ہے۔

**اولئک ھم الصدیقون والشھدآء عند ربھم** (حدید 19)

**من النبین والصدیقین والشھدآء والصالحین** (نساء 69)

**وجئی بالنبین والشھدآء** (زمر:70)

لیکن یہ صحیح نہیں، یہاں شہدا سے صرف وہ افراد مراد ہیں جن کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں ہے۔

**فکیف اذا جئنا من کل اُمة بشھید** (نساء:41)

**ویوم نبعث فی کل اُمة شھیدا علیھم من انفسھم** (نحل: 79)

**ونزعنا من کل اُمة شھیدا** (قصص 75)

ہر اُمت میں سے جو شہید اُٹھایا جائے اِس کیلئے مقتول ہونا ضروری نہیں، یہ کون ہے، کیا ہے، اِس کا کیا مقام ہے اور کیا فرائض ہیں؟ یہ مُباحث اِس وقت زیرِ غور نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ جن آیات میں شہید بمعنی مقتول فی سبیل اللہ نکالا جاتا ہے وہ صحیح نہیں۔ قرآنی اصطلاح میں یہ لفظ ایک

الگ مفہوم رکھتا ہے، جس کی مختصر تشریح اوپر گزر چکی ہے۔

اِس پوری گفتگو سے ہماری غرض صرف یہ دکھانا ہے کہ احادیث یا فقہ میں لفظ شہید محض اختصار کیلئے اِستعمال کیا گیا ہے نہ کہ مقتول فی سبیل اللہ کے ساتھ مخصوص کر کے قرآنی عموم کو ختم کرنے کیلئے۔ خود احادیث میں شہید کا لفظ ایسے لوگوں کیلئے بھی بولا گیا ہے جو اہل کفر سے جنگ کرتے ہوئے نہیں مارے گئے بلکہ یا تو اپنی موت سے مرے یا اپنی جان و مال و آبرو وغیرہ کو بچاتے ہوئے مارے گئے مثلاً:

من سال اللہ الشھادۃ بصدق بلغہ اللّٰہ منازل الشھداء وان مات علی فراشہ ٥ (رواہ مسلم واصحاب السنن عن سہل بن حنیف)

''جو صدق دل کے ساتھ اللہ سے شہادت کا طلبگار ہوگا اللہ تعالیٰ اسے شہدا کا درجہ عطا کرے گا خواہ اس کی موت اپنے بستر ہی پر کیوں نہ ہو''۔

من قتل دون مالہ فھو شھید ومن قتل دون دمعہ فھو شھید ومن قتل اھلہ فھو شھید٥ (رواہ اصحاب السنن عن سعید بن زید)

من قتل دون مظلمۃ فھو شھید٥ (رواہ النسائی عن سوید بن مقرن)

''جو شخص ظلم کا مقابلہ کرتا ہوا مارا جائے (یا مرے) وہ بھی شہید ہوگا''۔

اِن تمام روایات میں قَتِلَ سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ کسی کے ہاتھ سے مارا جانا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اہل وعیال یا مال کو پانی میں ڈوبنے سے بچاتا ہوا ڈوب جائے تو وہ بھی قُتِلَ میں داخل ہے۔ اِن تمام روایات میں قدرِ مشترک یہی ہے کہ جو شخص اپنا کوئی فریضہ ادا کرتا ہوا جان کھو بیٹھتا ہے وہ حفظِ انسانیت کرتا ہوا ایک سچی عملی گواہی پیش کرتا ہے، لہٰذا وہ بھی شہید ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے پاس اس کی سب سے زیادہ متاع اس کی جان ہوتی ہے جسے بچانے کیلئے حرام اشیاء کا استعمال بھی قرآن نے جائز کر دیا ہے۔ ایسی متاع عزیز اگر کوئی شخص ایک اعلیٰ مقصد کی راہ میں دے دے تو اس کے گواہ و شہید ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ اِس کا اجر اتنا بے حساب ہے کہ یہاں اس دنیا میں اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔ اِس کے اجر کا کچھ

اندازہ اِس روایت سے ہوسکتا ہے، جو اصحابِ سنن نے براُ سے یوں نقل کی ہے:

**اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل مقنع بالحدید فقال یارسول اللہ اقاتل او اُسلم؟ فقال اسلم ثم قاتل فاسلم ثم قاتل فقتل فقال صلی اللہ علیہ وسلم عمل قلیلا واجر کثیرا۔**

''ایک شخص (اُصیرم) جو لوہے میں غرق تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بموقع اُحد) آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قتال کروں یا اسلام لے آؤں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے اسلام لاؤ پھر قتال کرو۔ چنانچہ وہ اسلام لایا اور قتال کرتا ہوا مارا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا عمل تو برائے نام ہی تھا۔ لیکن اِس نے ثواب خوب لوٹا۔

اِس مردِ خدا کو ایک وقت کی نماز بھی ادا کرنے کا موقع نہ ملا تھا، مگر صرف ایک اعلیٰ مقصد کیلئے جان دے دینا اتنی بڑی عبادت تھی کہ سارا ثواب لوٹ لے گیا۔ اسی اجر بے حساب کا ذکر مذکورہ صدر حدیث میں ہے کہ کوئی مرنے والا جنت میں جا کر دنیا کی طرف رُخ کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن شہید کو جو انعام الٰہی ملتا ہے وہ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں آ کر بار بار مرنے اور یہ بے حساب صلہ پانے کی تمنا کرتا ہے۔ یہی کیا کم انعام ہے کہ قرآن نے اُسے مردہ کہنے اور مردہ سمجھنے کا انعام نہیں جو اپنی موت سے مرا ہو۔ یہ اِس شہید کا انعام ہے جو راہِ خدا میں لڑتا ہوا مارا جاتا ہے۔

## اطلاع فوت شدگان

☆ حلقہ گوجرانوالہ کے بھائی محمد صدیق صاحب کے بھائی محمد رفیق صاحب۔
☆ گکھڑ کے بھائی محمد یونس ہاشمی کا نومولود بیٹا۔
☆ فتح پور لیہ کے بھائی طاہر علی صاحب کا بیٹا اور مبارک علی صاحب کا پوتا۔

رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔

بھائیوں سے اِستدعا ہے کہ مرحومین کی بخشش اور درجات کی بلندی کیلئے دُعا فرمائیں

اپنی بصیرت و بصارت کی بناء پر اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرتے ہوئے صرف اسی کی بندگی کرے۔اللہ تعالیٰ کی اطاعت ومحبت سے معمور زندگی بسر کرنے کی راہ کا نام ہی صراط مستقیم ہے۔
ہمارے گردو پیش جو کائنات موجود ہے اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے یہ سب انسان کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔اس فرمان سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوئی کہ خلافت ارضی کی ذمہ داری کے تحت یہ بھی انسان کا فرض ہے کہ زمین وآسمان کی تمام چیزوں اور قوتوں کو تسخیر کر کے اپنے کام میں لگائے۔اس سے جہاں اللہ کی عطا کردہ تسخیر وتعمیر کی اہلیت کا اظہار ہوگا وہاں اللہ کی مخلوق میں تفکر وتدبر سے اسے اپنے خالق کی معرفت میں بھی کمال حاصل ہو گا۔اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل سے جہاں اللہ تعالیٰ کے قرب ورضا کی منزلیں طے ہونگی وہاں دنیوی زندگی میں آسائش وراحت، دولت وقوت اور شان وشوکت بھی نصیب ہوگی۔ان دونوں اصولوں کی پابندی اور توازن ہی سے اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق کامیاب زندگی گذاری جاسکتی ہے۔جس قوم کے افراد ان قرآنی ہدایات کے علی الرغم مادی کائنات میں ظاہر اور پوشیدہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے چشم پوشی کر کے اور اس کی ان گنت نعمتوں سے منہ موڑ کر رہبانیت کی تراشی ہوئی ریاضتوں، مراقبوں اور چلوں میں گم ہو کر رہ جائیں اور روحانی کیفیات وواردات کو ہی حاصل حیات سمجھنے لگیں وہ فرشتے تو بن سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے مطلوبہ انسان اور بندے نہیں بن پاتے۔دوسری طرف جنہوں نے مادی قوتوں کو تسخیر کر لیا لیکن اپنے خالق کی ربوبیت اور الوہیت سے انکار کر کے ابلیس اور نفسانی خواہشات کی پیروی میں لگ گئے ان کے کمالات کی حد برق وبخارات سے چلنے والی مشینوں اور انسانیت کی تباہی کے ہتھیاروں تک محدود ہو کر رہ گئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دنیا میں مفسدین اور آخرت میں مجرمین بن کر رہ گئے۔

## عہد الست

اللہ چونکہ انسانوں سے بے پایاں محبت کرتے ہیں اس لئے متاع دنیا کے دھوکے، نفس کی شرارت اور شیطان کے فریب سے بچانے کی خاطر عالم ارواح ہی میں سب انسانوں سے ایک خصوصی عہد لے لیا گیا۔قرآن کریم میں اس عہد کا ذکر اور اس کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔
''اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے انکی اولاد نکالی تو ان سے

# جنت میں واپسی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سب حمد وثناء اللہ سبحانہ کی ذات بابرکات کیلئے ہے جس نے کائنات کو پیدا فرمایا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہر لحاظ سے واحد اور بے مثل ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور لاکھوں درود و سلام ہوں حضور سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جنہیں اس نے اقوام عالم کی طرف مبعوث فرمایا اور پوری انسانیت کی کامل رہنمائی کیلئے اپنی آخری کتاب قرآن مجید فرقانِ حمید نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس آئین حیات نے ہی خالق کائنات، کائنات اور انسانوں کے اپنے بارے میں وہ حقائق بتلائے جو صدیوں سے حل طلب چلے آ رہے تھے۔ قرآن حکیم ہی نے یہ بتایا کہ انسان کی حقیقت کیا ہے۔ اسے کس لئے پیدا کیا گیا۔ حیات ارضی کا مقصود کیا ہے۔ کائنات کے ساتھ انسان کا کیا رشتہ ہے۔ موت کے بعد اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابی کی راہ کونسی ہے؟ اس خطبے میں قرآن کریم کی روشنی میں ہم انہی حقائق کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیں گے تا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہمیں ہدایت اور شرح صدر نصیب ہو، ہمارے اندر بامقصد زندگی گزارنے کی لگن پیدا ہو جائے اور ہم دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو جائیں۔ آمین!

## بنیادی حقائق

قرآن کریم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی یہ فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے لگا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق ہی زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب اور امین بن کر زندگی بسر کرنے کیلئے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تعمیر و تسخیر کی گوناگوں صلاحیتیں عطا فرمائیں اور تمام اشیاء کے نام سکھا کر، علوم و فنون حاصل کرنے کی اہلیت اس کے اندر ودیعت فرمادی۔ اس طرح انسان کو ملائکہ سے بھی برتر مقام حاصل ہوا اور وہ آدم علیہ السلام کی واضح علمی برتری کا مشاہدہ کر کے اس کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہماری رہنمائی کیلئے انسان اور کائنات کی تخلیق کے بنیادی مقاصد بھی واضح فرمادئے۔ انسان کے بارے میں تو یہ فرمایا کہ ہم نے انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ

خود ان کے بارے میں اقرار لینے کیلئے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ کیوں نہیں۔ہم گواہ ہیں۔اس لئے کہ قیامت کے دن تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس بات کی خبر ہی نہ تھی۔یا یہ نہ کہو کہ شرک تو ہمارے بڑوں نے شروع کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے۔تو کیا جو کام اہل باطل نے کیا اس کے بدلے میں آپ ہمیں ہلاک کرتے ہیں؟ اور اسی طرح ہم اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ یہ رجوع کریں"۔ (الاعراف۔172۔175)

اس سے ایک نہایت اہم اور بنیادی حقیقت واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یعنی آقا و پروردگار تسلیم کرنا حیات انسانی کی کامیابی کا مرکز ومحور ہے اور اسی لئے یہ امر مادی دُنیا میں آنے سے پہلے ہی ہر انسان کی سرشت میں داخل کر دیا گیا۔حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بنا کر بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیھم السلام انسانی قلوب کے اندر چھپے ہوئے اس روحانی چراغ کو روشن کرنے اور اس کی قندیل کی سیاہی کو صاف کرنے کی سعی کرتے ہیں تا کہ روحوں کو عہد الست یاد آ جائے۔وہ اپنے رب کی طرف رجوع کریں، اسی پر ایمان لائیں اور صالح اعمال اپنا کر دونوں جہانوں میں سرخرو ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر لیں کہ یہی مقصود حیات ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی صفت کا ذکر دوسری تمام صفات سے زیادہ آیا ہے اور یہ بھی ارشاد کیا گیا ہے کہ اللہ تمہارا رب ہے پس اس کی بندگی کرو کہ یہی صراط مستقیم ہے۔

## اللہ کی رضا

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور انکی زوجہ حضرت حوا کو کچھ عرصہ جنت میں رکھا تا کہ وہ اس کی نعمتوں سے کسی حد تک آشنا ہو کر اپنی منزل کو پہچان لیں۔حیات ارضی کی کشمکش اور جدوجہد کی غرض وغایت ہی یہ ہے کہ انسان جوہر خودی کی تکمیل کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرے تا کہ وہ اسے اپنی جنت میں داخل فرمالے۔اللہ تعالیٰ کے دین کا یہی مطمع نظر ہے کہ انسان کو وہ آئین حیات عطا کیا جائے جو اسے وہم وگمان اور ظن وتخمین کے اندھیروں سے نکال کر حقائق کی روشنی میں لے آئے۔جس سے ہدایت پانے کے بعد وہ ہوا وہوس کا غلام بن کر دنیا کی محبت میں نہ کھو جائے۔وہ کائنات کو مسخر کر کے اپنی خدمت میں ضرور لگائے لیکن کسی بھی

حالت میں اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی زندگی کو ترجیح دینا اس کی اساس فکر اور طرزِ حیات بن جائے تا کہ وہ آگ کے عذاب سے بچ جائے اور جنت میں داخل ہو سکے۔

جنت میں داخلے کا انحصار اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ **يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً** (الفتح ۔29) ''وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا ڈھونڈتے ہیں''۔ یہی ہر انسان کا مقصودِ حیات ہے اور اس کے حصول کا ایک ہی اصول ہے کہ صحابہ کرامؓ کی طرح ہر انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور الٰہ تسلیم کر کے اپنے آپ کو اس کی محبت کے رنگ میں رنگ لے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

**صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ٥**

(البقرۃ ۔138)

''کہہ دیں کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا ہے اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں''۔

اس آیت مبارکہ کے آخری حصہ سے ثابت ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے ہی سے اللہ کا رنگ چڑھتا ہے۔ اس کی عملی صورت ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اس بندے کا اتباع کیا جائے جو اللہ کے رنگ کا کامل ترین نمونہ ہے اور جس کی بندگی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت اور محبوبیت کا مقام حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم فرمایا ہے کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان لا کر اس کی رضا کو اپنا مقصودِ حیات جان لیں آپ انہیں منزلِ مقصود تک پہنچنے کا طریقہ بتا دیجئے۔

**قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ٥** (آل عمران 31 تا 32)

''آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اگر نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا''۔

## جنت میں واپسی اور رسولوں کی بعثت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت جب آدم وحوا کو جنت سے رُخصت کرنے کیلئے حکم دیا تو اس وقت ہی یہ بشارت دے دی کہ اولاد آدم میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جانے والی ہدایت کی مطابق زندگی بسر کریں گے وہ خوف وحزن سے آزاد ہوں گے اور موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جنت میں پھر لوٹ آئیں گے۔ اور جنہوں نے اللہ اور یوم آخرت کو جھٹلایا اور شیطان کا اتباع کیا تو انکا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔ اس موضوع پر چند آیات قرآنی ملاحظہ فرمایئے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ٥ (البقرۃ 39,38)

''ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے''۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ٥ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى٥

(طٰہٰ 124,123)

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں یہاں سے نیچے اُتر جاؤ۔ تم میں بعض بعض کے دشمن ہونگے۔ جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کریگا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے''۔

يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِىْ فَمَنِ

اتّقٰی وَاَصلَحَ فَلَا خَوفٌ عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُونَ o وَالَّذِینَ کَذَّبُوا بِاٰیٰتِنَا وَاستَکبَرُوا عَنھَا اُولٰئِکَ اَصحٰبُ النَّارِ ھُم فِیھَا خٰلِدُونَ o

(الاعراف35-36)

''اے بنی آدم جب ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آئیں اور ہماری آیتیں تمہیں سنائیں تو جو شخص ایمان لا کر تقویٰ اختیار کریگا اور اصلاح کرے گا تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی وہی دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے''۔

ان آیات مقدسہ سے یہ امر واضح ہوگیا کہ اللہ کی طرف سے آنے والی ہدایت کی غایت یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لا کر تقویٰ کی زندگی بسر کرے تا کہ آگ کے عذاب سے بچ جائے اور نعمتوں بھری جنت میں داخل ہو جائے۔ اس عظیم کام کو اللہ تعالیٰ کے دین میں بنیادی اہمیت حاصل ہے اور تمام شعبہ ہائے دین اسی محور کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں کہ وہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دیں اور نیکوکار بندوں کو جنت اور اس کی نعمتوں کی بشارت دیں۔ اسی طرح شیطان کی بندگی کے نتیجہ میں ملنے والی جہنم کے عذاب سے ڈرائیں۔ ہم یہاں قرآن کریم کی چند آیات درج کرتے ہیں جن میں رسولوں کی تشریف آوری کا مقصد بیان کیا گیا ہے تا کہ دین کے مرکزی کام کی اہمیت مزید واضح ہو جائے۔

وَلَقَد بَعَثنَا فِی کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُولًا اَنِ اعبُدُوا اللّٰہَ وَاجتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنھُم مَّن ھَدَی اللّٰہُ وَمِنھُم مَّن حَقَّت عَلَیہِ الضَّلٰلَةُ فَسِیرُوا فِی الاَرضِ فَانظُرُوا کَیفَ کَانَ عَاقِبَةُ المُکَذِّبِینَ o (النحل۔36)

''اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور شیطانی گروہ سے اجتناب کرو۔ تو ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں کہ جن پر گمراہی ثابت ہوئی۔ سو زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا''۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِینَ وَمُنذِرِینَ لِئَلَّا یَکُونَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّةٌ بَعدَ الرُّسُلِ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیزًا حَکِیمًا o (النساء۔165)

''سب رسولوں کو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا۔ تا کہ رسولوں کے آنے

شیطان کے مکر وفریب سے غافل نہ ہوں، حضور ﷺ کے اتباع میں خوف ورجا کے درمیان چلتے رہیں اور خاتمہ بالایمان کیلئے اللہ کی مدد کے طلبگار رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طویل سفر کے مقابلے میں انسان کی مدت عمر نہایت قلیل ہے اس لئے وقت کی تضیع کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔ اس راہ میں پوری استقامت احتیاط اور عزم وہمت کے ساتھ آگے بڑھتے رہنے ہی سے گوہر مقصود ہاتھ آسکتا ہے۔ حضور رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس مومن کے دو دن ایک ہی حالت میں گذر جائیں وہ خسارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کی راہ میں ہر مومن کا آج کا دن کل سے بہتر ہونا چاہئے۔ ورنہ یوں سمجھئے کہ زندگی کا ایک دن ضائع چلا گیا۔ جب یہ زندگی ختم ہو جائے گی تو پھر نا ختم ہونے والی زندگی کا آغاز ہوگا۔ قیامت کے روز انسانوں کو انکے ہر عمل کا اجر دیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ حقیقی غریب اور مسکین وہ انسان ہے جس کی دنیا میں کمائی ہوئی ساری نیکیاں قیامت کے دن ان دعویداروں میں تقسیم کردی جائیں گی جن پر اس نے ظلم کیا ہوگا۔ جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو پھر مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور اسے جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ اسی لئے اللہ والے حقوق العباد کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور یہ نصیحت بھی کرتے ہیں کہ نیکی کے کاموں سے بھی زیادہ برائیوں سے بچنے کو مقدم جانو۔ آخرت کی زندگی کا مشکل مرحلہ جہنم کے شعلوں سے نجات پانے کا ہے یہ طے ہو جائے تو اللہ رحیم وکریم کے فضل و رحمت سے اُمید رکھنی چاہئے کہ وہ اپنے بندے کو جنت میں داخل فرما لے۔ قرآن کریم میں دنیا کی بے ثباتی اور قیامت کے دن پیش آنے والے مراحل کا ذکر یوں آیا ہے۔

**كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ o** (ال عمران۔185)

''ہر متنفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو جو شخص آتش جہنم سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے''۔ (جاری ہے)

کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے''

**وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ (الانعام۔ 48'49)**

''اور ہم جو رسول بھیجتے رہے ہیں تو خوشخبری سنانے اور ڈرانے کو۔ پھر جو شخص ایمان لائے اور نیکو کار ہو جائے تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ اندوہناک ہونگے اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو انکی نافرمانی کے سبب انہیں عذاب ہوگا''

یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ اس نے انسانوں کی رہنمائی کی خاطر اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار فرمادیا۔ انبیاء علیہم السلام نے ہر دور میں یہی بنیادی فریضہ ادا کیا کہ اپنی اپنی قوموں کو اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال بتا دیئے اور انکے صلہ میں ملنے والی نعمتوں کی بشارت دی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والے اعمال بھی واضح کردیئے اور نافرمانی کے نتیجہ میں ملنے والی جہنم کی سزاؤں سے ڈرایا۔ خوش خبریوں اور ڈراووں کی تکرار اس کثرت سے کی گئی ہے کہ قرآن کریم کا شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جس میں ان کا ذکر نہ ہو۔ اس طرح انسانوں کے لئے نیکی بدی، بھلائی برائی، شکر و کفر، اطاعت و بغاوت اور سعادت و شقاوت کی راہیں واضح کردی گئی ہیں۔

اب ہماری منزل ہمارے سامنے ہے۔ ہماری تمام سرگرمیوں اور جدوجہد کا ہدف عذاب دوزخ سے بچنا اور اللہ کی رضا اور اس کی جنت کا حصول ہونا چاہئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان تمام اعمال سے بچیں جو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے اور ان تمام اعمال کو ذوق وشوق سے بجالائیں جو انہیں پسند ہیں اسی طرز عمل کا نام تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ متقین سے محبت کرتے ہیں اور آخرت کی نعمتوں بھری زندگی بھی متقین کے لئے ہے۔ تقویٰ والی زندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے اس کی محبت میں گرفتار نہ ہوں۔ مال و جاہ اور اولاد کی خاطر زمین میں فتنہ وفساد بپا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو ہر شے پر مقدم رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو بھی مقام و منصب عطا کر رکھا ہے اور کسی بھی پیشہ سے ہمارا تعلق ہو ہمیں ہر حال میں اپنے خالق کی معصیت سے بچتے رہنا چاہئے اور اس کی مخلوق کی خیر خواہی اور خدمت کے ذریعے اس کی رضا کا طلبگار بنے رہنا اور ہر حال میں خوش رہنا چاہئے۔ ہمیں چاہیے کہ زندگی کے آخری سانس تک

# حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔ شہسوارِ اسلام

طالب الہاشمی

رحمت عالم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو مسلمانوں اور بالخصوص اُن مہاجرین کو، جو مکہ میں تیرہ برس تک کفار کے ظلم وستم کی چکی میں پستے رہے تھے، کس قدر چین کا سانس لینا نصیب ہوا لیکن یہودِ مدینہ اور مشرکین مکہ کو مسلمانوں کا مدینہ منورہ میں امن وامان سے رہنا ایک آنکھ نہ بھایا اور انہوں نے اہل حق کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ قریش مکہ نے اپنے دل کے جلے پھپھولے یوں پھوڑے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کو ایک تندوتیز خط لکھ کر دھمکی دی کہ تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے، اِس کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کر کے تمہیں نیست ونابود کر دیں گے۔ عبداللہ کا بس چلتا تو وہ ضرور قریش مکہ کے کہنے کے مطابق عمل کرتا لیکن جب اسے اس قسم کی حرکت کے نتائج وعواقب سے آگاہ کیا گیا تو وہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ بڑا پُر خطر زمانہ تھا۔ دشمنانِ اسلام مدینہ پر حملہ کیلئے پر تول رہے تھے۔ اِس لئے ہر وقت چوکنا رہنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے معمول بنالیا تھا کہ رات کو بھی ہتھیار باندھ کر سوتے تھے اور باری باری جاگ کر پہرہ دیا کرتے تھے۔ کاشانہ نبوی کو تو وہ کسی وقت بھی غیر محفوظ حالت میں نہیں چھوڑتے تھے اور دن ہو یا رات کوئی نہ کوئی صاحبؓ رسول ہتھیار باندھ کر کاشانہ نبویؐ کے پہرے پر ضرور کھڑے ہوتے۔

اِسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک رات حضورؐ کی نیند اچاٹ ہوگئی۔ اتفاق سے اس وقت کوئی شخص پہرے پر موجود نہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا، کاش کوئی رجل صالح (نیک آدمی) آج پہرے پر ہوتا۔ اتنے میں ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی۔ حضور ﷺ نے پوچھا، کون؟ جواب ملا، یارسول اللہ ﷺ میں سعد ہوں۔ فرمایا، کس لئے آئے ہو، عرض کیا، میرے دل میں حضور ﷺ کی نسبت خوف پیدا ہوا اس لئے پہرہ دینے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔

سرورِ عالم ﷺ یہ جواب سن کر خوش ہو گئے، حضرت سعدؓ کیلئے دعا کی اور پھر استراحت فرمائی

یہ سعدؓ جن کو بارگاہِ رسالت سے ''رجل صالح'' کا عظیم لقب مرحمت ہوا، ابی وقاص، مالک بن وہیب کے فرزند اور قریش کی ایک معزز شاخ بنوزہرہ کے چشم و چراغ تھے۔

سیدنا حضرت ابواسحٰق سعدؓ بن ابی وقاص اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں اور تاریخ اسلام کی مہتمم بالشان ہستیوں میں شمار ہوتے ہیں جو شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں نہایت ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے!

سعدؓ بن ابی وقاص مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ۔

پانچویں پشت میں کلاب بن مرہ پر اُن کا سلسلہ نسب رسول اکرم ﷺ کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بھی قبیلہ بنوزہرہ سے تھیں اور حضرت سعدؓ کے والد ابووقاص مالک کی چچا زاد بہن تھیں۔ اِس لحاظ سے ابووقاص مالک رشتہ میں حضور ﷺ کے ماموں ہوتے تھے اور حضرت سعدؓ ماموں زاد بھائی۔ حضور ﷺ کبھی کبھی ازراہ محبت و شفقت (نانہالی رشتہ کی وجہ سے) حضرت سعدؓ کو بھی ماموں کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت سعدؓ کی والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان بن اُمیہ تھا اور وہ بنو امیہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

حضرت سعدؓ ہجرت نبوی سے تقریباً تیس برس قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ سرورِ عالم ﷺ کی بعثت کے وقت حضرت سعدؓ کا عنفوانِ شباب تھا اور انہوں نے عمر کی صرف سترہ یا انیس منزلیں طے کی تھیں تاہم اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت سعید فطرت عطا کی تھی۔ جونہی ان کے کانوں میں دعوتِ توحید کی آواز پڑی اُنہوں نے بلا تامل اس پر لبیک کہا اور ''سابقون الاولون'' کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق اسلام لانے والے بالغ مردوں میں وہ تیسرے مسلمان تھے اور بعض روایات کے مطابق ان سے قبل چھ سات بزرگ سعادت اندوزِ اسلام ہو چکے تھے۔ بہر صورت وہ اُن چند نفوس قدسی میں سے ہیں جن کو دعوتِ حق کے ابتدائی سات دنوں کے اندر لوائے توحید تھامنے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت سعدؓ کی والدہ حمنہ کو اپنے آبائی مذہب سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا اس کو بیٹے کے قبول اسلام کا حال سن کر اِس قدر رنج ہوا کہ کھانا پینا بولنا چالنا سب ترک کر دیا۔ حضرت سعدؓ ماں

سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور اپنی ماہ کو آزردہ دیکھنا ان کیلئے ایک بہت بڑی آزمائش تھی لیکن وہ اِس آزمائش میں پورے اُترے۔ ماں تین دن تک بھوکی پیاسی رہی، یہی اصرار تھا کہ یہ نیا دین ترک کردو لیکن سعدؓ کا ایک ہی جواب تھا:

''ماں تم مجھے حد عزیز ہو لیکن تمہارے قالب میں خواہ ہزار جانیں ہوں اور ایک ایک کرکے ہر جان نکل جائے تب بھی اسلام کو نہ چھوڑوں گا''۔

بارگاہِ خداوندی میں حضرت سعدؓ کی شانِ استقلال ایسی مقبول ہوئی کہ عامۃ المسلمین کیلئے یہ فرمانِ الٰہی نافذ ہوگیا۔

وان جاھداک لتشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما ○

''اگر ماں باپ تجھ کو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جس کی تجھ کو خبر نہیں تو اس میں اُن کا کہا مت مان'' (۸:۲۹)

قبولِ اسلام کے بعد والدہ کی ناراضی کے علاوہ اور بھی کوئی ایسی سختی اور مصیبت نہ تھی جو حضرت سعدؓ نے مشرکین کے ہاتھوں نہ جھیلی ہو۔ اُنہوں نے کفار سے گالیاں کھائیں، طعنے سہے اور جسمانی اذیتیں برداشت کیں لیکن کیا مجال کہ ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش آئی ہو۔

دعوتِ حق کے آغاز میں صحابہ کرامؓ کفار کی شرانگیزی سے بچنے کیلئے مکہ کے قریبی پہاڑوں کی سنسان گھاٹیوں میں چھپ کر خدائے واحد کی عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت سعدؓ بھی انہی نفوس قدسی میں شامل تھے۔ ایک دن وہ چند دوسرے صحابہؓ کے ساتھ ایک ویران گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ چند مشرکین ادھر آ نکلے۔ وہ مسلمانوں پر پہلے تو آوازے کسنے لگے اور پھر ان پر حملہ کر دیا۔ حضرت سعدؓ کی اُٹھتی جوانی تھی، انہیں جوش آ گیا، پاس ہی اونٹ کی ایک ہڈی پڑی تھی اسے اُٹھا کر مشرکین پر پل پڑے۔ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا اور اس میں سے خون بہنے لگا۔ اب ان شریروں نے وہاں سے بھاگنے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ سعدؓ بن ابی وقاصؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حق کی حمایت میں خونریزی کی۔

ہجرت سے قبل حضرت سعدؓ کی زندگی کا سب سے بڑھ کر تابناک باب وہ ہے جس میں وہ تین سال (۷ھ سے ۱۰ھ) تک سرورِ کائنات ﷺ کی رفاقت میں شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ شعب ابی طالب کی محصوری اگرچہ بنی ہاشم اور بنو مطلب سے مخصوص تھی لیکن حضرت سعدؓ نے ہاشمی اور مطلبی نہ ہونے کے باوجود محض اللہ اور اللہ کے رسول کی خاطر بنو ہاشم اور بنو مطلب کا ساتھ دیا اور ان کے ساتھ تین سال تک ہولناک مصائب برداشت کرتے رہے۔ اس زمانہ میں بے کس محصورین بعض اوقات درختوں اور جھاڑیوں کی پتیاں اُبال کر اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو انہیں سوکھے ہوئے چمڑے کا ایک ٹکڑا کہیں سے مل گیا۔ انہوں نے اسے پانی سے دھویا، پھر آگ پر بھونا، کوٹ کر پانی میں گھولا اور ستو کی طرح پی کر اپنے پیٹ کی آگ بجھائی۔

۱۱ بعد بعثت میں اللہ تعالیٰ نے اہل یثرب کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ چنانچہ اس سال چھ سلیم الطبع خزرجی سعادت اندوزِ اسلام ہو کر یثرب واپس گئے۔ اگلے سال یثرب کے بارہ آدمیوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا اس سے اگلے سال پچھتر حق پرست یثرب سے مکہ پہنچے اور رحمت عالم ﷺ کے دستِ حق پرست پر اس عہد کے ساتھ بیعت کی کہ آپ یثرب تشریف لائیں تو ہم اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپ کی حفاظت کریں گے۔ یہ بیعت ''بیعت عقبہ کبیرہ'' کہلاتی ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یثرب کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اکثر صحابہ کرامؓ ارض مکہ کو الوداع کہہ کر یثرب چلے گئے ان مہاجرین میں حضرت سعدؓ اور ان کے نوعمر بھائی عمیر بھی شامل تھے۔ یثرب پہنچ کر حضرت سعدؓ اور عمیرؓ اپنے بڑے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کے مکان میں فروکش ہوئے۔ عتبہ نے جنگ بعاث سے قبل مکہ میں ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور قصاص کے خوف سے بھاگ کر یثرب میں پناہ لی تھی۔ عتبہ اگرچہ مشرک تھے لیکن انہوں نے نہایت خوش دلی سے اپنے دونوں حق پرست بھائیوں کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ بدقسمتی سے عتبہ کافی عرصہ تک کفر و شرک کی ظلمتوں میں بھٹکتے رہے لیکن ان کی اسلام دشمنی نے چھوٹے بھائیوں کو ذرہ برابر بھی متاثر نہ کیا اور شروع

سے لے کر اخیر تک اسلام سے ان کی والہانہ شیفتگی برقرار رہی۔ حضرت سعدؓ کی ہجرت کے تھوڑے عرصے بعد سرورِ عالمﷺ نے بھی یثرب کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا اور یہ قدیم شہر یثرب سے ''مدینۃ النبیﷺ'' بن گیا۔

ہجرت کے بعد مسلمانوں کو کسی قدر طمانیت نصیب ہوئی اور وہ کفار کی ایذا رسانی سے محفوظ ہو گئے تاہم مشرکین مکہ کے حملہ کا خطرہ ہر وقت موجود تھا۔ اسی خطرے کے پیش نظر صحابہ کرامؓ ہر وقت مسلح رہتے تھے اور کاشانہ نبوی پر باقاعدگی سے پہرہ دیا کرتے تھے، اسی زمانے میں حضرت سعدؓ کو بھی بعض موقعوں پر پہرہ دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مدینہ پر حملہ کے تدارک اور مشرکین مکہ کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کیلئے حضورﷺ صحابہؓ کی چھوٹی چھوٹی مسلح جماعتیں وقتاً فوقتاً مکہ کی طرف روانہ فرماتے رہتے تھے۔ اِن مہمات کو سرایا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جنگِ بدر سے پہلے جو سرایا پیش آئے ان میں سے سریہ عبیدہؓ بن حارث، سریہ حمزہؓ اور سریہ عبداللہؓ بن جحش میں حضرت سعدؓ ایک عام مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے اور ایک سریہ میں آٹھ مجاہدین کی قیادت کی۔ اِس مہم کو ان کے نام کی نسبت سے ''سریہ سعدؓ بن ابی وقاص'' کہا جاتا ہے۔ اِس میں حضرت سعدؓ اپنے آٹھ ساتھیوں کے ہمراہ قریش کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے خرار کے مقام تک گئے لیکن مشرکین سے مڈبھیڑ نہ ہوئی۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ سریہ عبیدہؓ بن حارث میں بھی اگرچہ کشت و خون تک نوبت نہ پہنچی لیکن حضرت سعدؓ نے قریش کی طرف ایک تیر چلا ہی دیا۔ صحیح بخاری میں خود حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ میں پہلا عرب ہوں جس نے راہِ خدا میں تیر چلایا۔

اِسی زمانے میں بعض مہمات میں حضرت سعدؓ کو خود سرورِ عالمﷺ کی معیت کا شرف بھی نصیب ہوا، یہ سخت تنگدستی کا دور تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ کی معیت میں غزوہ کرتے تھے اور ہمارے پاس درخت کے پتوں کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تھی، یہاں تک کہ ہمارا فضلہ ایسا ہوتا تھا جیسا اونٹ یا بکری کا ہوتا ہے۔ اِس میں کوئی خِلط نہیں ہوتی تھی۔ (یعنی مینگنیاں ہوتی تھیں)

طبری نے غزوہ بواط (بواۃ) میں حضرت سعدؓ کی شرکت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ یہ غزوہ ربیع الاول ۲ھ میں پیش آیا۔ اس میں دو سو صحابہ کرام حضورﷺ کے ہمرکاب تھے۔ ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص بھی شامل تھے اور حضورﷺ نے انہیں لشکر کا سفید جھنڈا مرحمت فرمایا تھا۔ یہ مقدس لشکر قریش کے ایک بڑے قافلے سے نبرد آزما ہونے کیلئے بواط کے مقام تک گیا لیکن قریش کا قافلہ جس میں دو سو آدمی اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے، بچ کر نکل گیا۔

رمضان المبارک ۲ھ میں بدر کے میدان میں کفر وحق کا معرکہ اول پیش آیا تو حضرت سعدؓ نے اس میں والہانہ جوش وخروش سے حصہ لیا۔ اثنائے جنگ میں ان کا مقابلہ قریش کے نامی بہادر سعید بن عاص سے ہوگیا، انہوں نے آناً فاناً سعید کو خاک وخون میں لوٹا دیا اور اس کی مشہور تلوار ذوالکتیفہ پر قبضہ کرلیا۔ یہ تلوار لے کر وہ رسول اکرمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت تک مال غنیمت کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے حضورؐ نے حضرت سعدؓ کو حکم دیا کہ یہ تلوار جہاں سے اُٹھائی ہے وہیں رکھ دو۔ حضرت سعدؓ نے فوراً تعمیل ارشاد کی لیکن ان کو اس تلوار کے نہ ملنے پر بڑا ملال ہوا۔ ابھی وہ کچھ ہی دور گئے تھے کہ سورہ انفال نازل ہوئی جس میں یہ حکم تھا۔ فکلوا مما غنمتم حلال طیباo

(تو جو تم نے لوٹا ہے اب کھاؤ کہ حلال طیب ہے)

حضورﷺ نے حضرت سعدؓ کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ جاؤ اور اپنی تلوار لے لو۔

غزوہ بدر میں حضرت سعدؓ کے نوعمر بھائی عمیرؓ کو اللہ تعالیٰ نے رُتبہ شہادت پر فائز کیا، حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ لڑائی سے پہلے میں نے عمیر کو دیکھا کہ اِدھر اُدھر چھپتا پھرتا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا، عمیر کیا بات ہے؟ کہنے لگا بھائی جان میری عمر کم ہے اِس لئے ڈرتا ہوں کہ کہیں رسول اللہﷺ مجھے لڑائی میں حصہ لینے سے روک نہ دیں حالانکہ میری دلی تمنا ہے کہ میں راہِ حق میں لڑوں شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے۔ عمیرؓ کا خدشہ درست ثابت ہوا۔ حضورﷺ نے اُن کی کم عمری کی وجہ سے واپس جانے کا حکم دیا۔ عمیرؓ رونے لگے۔ حضورﷺ کو ان کے شوق اور رونے کا حال معلوم ہوا تو آپؐ نے ان کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔ حضرت

سعدؓ کہتے ہیں کہ عمیر کے چھوٹے ہونے اور تلوار کے بڑا ہونے کی وجہ سے میں اس کے تسموں میں گرہیں لگاتا تھا کہ اونچی ہو جائے۔ عمیرؓ لڑائی میں مردانہ وار لڑے اور دشمن کے نامور پہلوان عمرو بن عبدود کے ہاتھوں جام شہادت پیا۔ حضرت سعدؓ کو عمیرؓ سے بے پناہ محبت تھی اُن کی شہادت ان کیلئے صدمہ جانکاہ سے کم نہ تھی لیکن وہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ لڑائی میں مشرکین کو عبرتناک شکست ہوئی۔ ان کے ستر (۷۰) آدمی قتل ہوئے اور ستر (۷۰) کو مسلمانوں نے قیدی بنالیا۔ ان میں سے تین آدمیوں (حارث بن وحرہ، سالم بن شماخ اور فاکہہ) کو تنہا حضرت سعدؓ نے قیدی بنایا۔

جنگ اُحد (۳ھ ہجری) میں جب ایک اتفاقی غلطی سے لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ان چند اصحاب میں تھے جو شروع سے اخیر تک رحمت عالم ﷺ کے سپر بنے رہے۔ وہ ایک ماہر قدر انداز تھے۔ کفار بار بار حضورؐ پر زغہ کرتے تھے اور سعدؓ اپنے تیروں سے ان کا منہ پھیر دیتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت سعدؓ حضور ﷺ کے پہلو میں کھڑے تھے۔ حضور ﷺ اپنے ترکش سے تیر نکال نکال کر انہیں دیتے تھے اور فرماتے تھے۔

**یا سعد ارم فداک ابی و اُمی۔**

(اے سعد تیر چلا، میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں)

حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت ہے کہ میں نے سعدؓ کے سوا کسی اور کے حق میں ایسے الفاظ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نہیں سنے۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ غزوہ اُحد سے ایک دن پہلے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہؓ بن جحش ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔ حضرت سعدؓ نے دُعا مانگی:

''الٰہی کل جو دشمن میرے مقابلے میں آئے وہ بڑا بہادر اور غضب ناک ہو اور مجھے اتنی طاقت دے کہ میں تیری راہ میں اس کو قتل کروں''۔

حضرت عبداللہؓ بن جحش نے آمین کہا پھر انہوں نے یوں دُعا مانگی۔

''الٰہی کل میرا مقابلہ ایسے دشمن سے ہو جو نہایت جنگجو اور غصہ ور ہو۔ مجھے اس کے ہاتھ سے شہادت نصیب ہو اور وہ میرے کان، ناک کاٹ ڈالے۔ جب میں تجھ سے ملوں اور تو مجھ سے پوچھے کہ اے عبداللہ یہ تیرے کان ناک کیوں کاٹے گئے تو میں کہوں کہ اے اللہ تیرے لئے اور تیرے رسول ﷺ کیلئے''۔

حضرت سعدؓ نے بھی ان کی دُعا پر ''امین'' کہا۔ دونوں کی دُعائیں سچے دل سے نکلی تھیں۔ اِس لئے فوراً دراِجابت پر پہنچیں۔ لڑائی میں حضرت سعدؓ نے ایک نامی مشرک کو قتل کیا اور حضرت عبداللہؓ بن جحش نے ابن اخنس ثقفی کے ہاتھ سے جام شہادت پیا۔ مشرکین نے ان کی لاش کا مثلہ کیا اور کان، ناک، ہونٹ کاٹ کر دھاگے میں پروئے۔ لڑائی کے بعد حضرت سعدؓ کا گزر ان کی لاش پر ہوا تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا:

''خدا کی قسم عبداللہ کی دُعا میری دُعا سے بہتر تھی''۔

یہ اِن کے سوزِ دروں کا اظہار تھا کہ عبداللہؓ تو رُتبہ شہادت پر فائز ہوئے اور میں اس سے محروم رہا۔ غزوہ اُحد میں حضرت سعدؓ کے بڑے بھائی عتبہ نے مشرکین کا ساتھ دیا اور بڑے جوش و خروش سے مسلمانوں کے خلاف لڑے۔ ایک موقع پر عتبہ نے حضور ﷺ پر ایک پتھر پھینکا جس سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ حضرت سعدؓ کو عتبہ کی یہ حرکت مدت العمر یاد رہی، فرمایا کرتے تھے ''خدا کی قسم عتبہ سے زیادہ میں کسی شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہوا''۔

بدر اور اُحد کے بعد حضرت سعدؓ نے احزاب، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک میں بھی رحمت عالم ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور ہر معرکے میں اپنی شمشیر خارا شگاف کے جوہر دکھائے۔

۱۰ ہجری میں رحمت عالم ﷺ حجۃ الوداع کیلئے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے تو حضرت سعدؓ بھی حضور ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ مکہ پہنچ کر حضرت سعدؓ سخت علیل ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کی شدید علالت کا حال سنا تو عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ حضرت سعدؓ زندگی سے مایوس ہو چکے تھے، حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ میں مالدار آدمی ہوں اور ایک بیٹی کے

سوا کوئی وارث نہیں ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنا دوتہائی مال صدقہ کر دوں اور ایک تہائی بیٹی کیلئے چھوڑ دوں"۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں" عرض کی "اگر دوتہائی نہیں تو نصف ہی سہی"۔ حضورؐ نے پھر نفی میں جواب دیا۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ پھر ایک تہائی صدقہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ حضورﷺ نے فرمایا، ایک تہائی بھی بہت ہے اگر تم اپنے وارثوں کو مالدار اور تونگر چھوڑ و تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ مفلس ہوں اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

اس کے بعد حضرت سعدؓ نے اشکبار ہوکر عرض کی "یارسول اللہﷺ میں مکہ میں مر رہا ہوں۔ حالانکہ میں راہ حق میں اس سرزمین کو ہمیشہ کیلئے خیر باد کہہ چکا ہوں۔ حضورﷺ نے ان کو دلاسا دیا اور ان کے چہرے پیشانی اور شکم پر دست مبارک پھیر کر دُعا فرمائی، اے اللہ سعدؓ کو شفا دے اور اس کی ہجرت کو کامل کر۔

رحمت دو عالمﷺ کی دُعا حضرت سعدؓ کیلئے آبِ حیات ثابت ہوئی اور ان کی طبیعت اسی وقت بحال ہونے لگی یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہوکر مدینہ واپس گئے۔ حضرت سعدؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں رسول اللہﷺ کے دست مبارک کی ٹھنڈک آج تک اپنے جگر میں محسوس کرتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعدؓ کے علاج کیلئے حضورﷺ نے مشہور طبیب حارث بن کلدہ کو بلا بھیجا۔ اس نے حضرت سعدؓ کیلئے کھجور اور السی کے آٹے کا حریرہ تجویز کیا چنانچہ وہ اس حریرے کے استعمال سے صحت یاب ہوگئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضورﷺ نے حضرت سعدؓ کی عیادت کے موقع پر اسے مخاطب ہوکر یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے۔

"اے سعد شاید خدا تم کو (بستر مرض) سے اُٹھائے اور تم سے کچھ لوگوں کو نفع اور کچھ کو نقصان پہنچے"۔

حضورﷺ کی یہ بشارت حضرت سعدؓ کے حق میں یوں پوری ہوئی کہ وہ صحت یاب ہوگئے اور چند سال بعد ان کی قیادت میں مجاہدین اسلام نے مجوسی ایران کی قوت کو پاش پاش کرڈالا۔

۱۱ھ ہجری میں سرورِ عالمﷺ نے رحلت فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے

خلافت ہوئے تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے بلا تامل ان کی بیعت کر لی۔ حضرت ابو بکرؓ حضرت سعدؓ کے فضائل اور صلاحیتوں کے معترف اور مداح تھے۔ اُنہوں نے حضرت سعدؓ کو بنو ہوازن کا عامل مقرر کر دیا۔

۱۳ھ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ مسند خلافت پر بیٹھے تو اُنہوں نے بھی حضرت سعدؓ کو اِس منصب پر برقرار رکھا لیکن قُدرت انہیں اس سے کسی عظیم تر مقصد کیلئے منتخب کر چکی تھی۔ صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں ایران کی زبردستی مجوسی سلطنت سے مسلمانوں کی کشمکش کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس کشمکش کا پہلا دور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات پر ختم ہو گیا، یہ کم و بیش ایک برس کی مدت پر محیط تھا۔ اِس عرصے میں عرب اور ایران کی سرحد پر آباد بنو شیبان کے سردار مثنیٰؓ بن حارثہ اور حضرت خالدؓ بن ولید نے ایرانیوں کو تابڑ توڑ شکستیں دیں لیکن ۱۳ھ میں جب حضرت خالدؓ شام میں اسلامی فوجوں کی قیادت کرنے عراق عرب سے رُخصت ہوئے تو اہل ایران مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کیلئے متحد ہو گئے اور اس مقصد کیلئے زور شور سے جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ حضرت مثنیٰؓ نے مدینہ پہنچ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ان حالات کی اطلاع دی تو انہیں مسلمانوں کی سلامتی کے بارے میں سخت تشویش پیدا ہو گئی۔ اِس وقت وہ سخت علیل تھے بلکہ زندگی کے آخری مراحل طے کر رہے تھے۔ اسی حالت میں حضرت عمر فاروقؓ کو وصیت کی کہ ''اے عمر میرا پیمانہ زندگی لبریز ہو چکا ہے، مجھے اُمید نہیں کہ میں آج شام تک زندہ رہوں، میرے مرنے کے بعد تم کل ہی مثنیٰؓ کو مدد دے کر عراق روانہ کر دینا''۔ اِس وصیت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پیک اجل کو لبیک کہا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی حضرت مثنیٰؓ کی مدد کیلئے حضرت ابو عبید ثقفیؓ کی قیادت میں ایک ہزار سرفروشوں کی فوج روانہ کر دی۔ راستے میں کئی عرب قبائل جہاد میں شرکت حاصل کرنے کیلئے ان کے ساتھ شامل ہو گئے اس طرح ابو عبیدہؓ کے لشکر کی تعداد کئی ہزار تک پہنچ گئی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ایرانیوں کو نمارق، کسکر اور کچھ دوسرے معرکوں میں شکست دے کر عراق عرب کے خاصے بڑے رقبے پر قبضہ کر لیا۔ ان شکستوں کی خبر سن کر ایرانی وزیر اعظم رستم بن فرخزاد بخت برہم ہوا اور اس نے ایک

ـدیدہ افسر بہمن جادویہ کو ایک زبردست لشکر دے کر مسلمانوں کے مقابلے کیلئے بھیجا۔ یہ لشکر
ئے فرات کے کنارے ''قسِ ناطف'' کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ اُدھر سے حضرت ابوعبیدہ
رات کے دوسرے کنارے پر ایک مقام مروحہ میں قیام کیا۔ بہمن جادویہ نے انہیں پیغام بھیجا
دریا کے اِس پار اتر کر آؤ گے یا ہم آئیں۔ بدقسمتی سے ابوعبیدہؓ یہ اندازہ نہ کر سکے کہ دوسری
میدان بہت تنگ ہے اور مسلمانوں کیلئے وہاں صف بندی کرنا مشکل ہے۔ وہ جوش شجاعت
نی فوج کے ہمراہ دریا کے پار اُتر گئے۔ لڑائی کا آغاز ہوا تو ایرانی لشکر کے تین سو جنگی ہاتھیوں
یامت ڈھادی اور مردانہ وار لڑنے کے باوجود مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اِسی افراتفری
ں نے دریا کا پل توڑ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد دریا میں غرق ہوگئی اور بہت
یدانِ جنگ میں شہید ہوگئے، جن میں حضرت ابوعبیدہؓ بھی شامل تھے۔ یہ افسوسناک واقعہ
میں ''معرکہ جسر'' یعنی ''پل کی لڑائی'' کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی
ت جلد جسر کی شکست کا بدلہ لے لیا اور اگلے سال (رمضان ۱۴ھ میں) بویب کے مقام
نیوں کو عبرتناک شکست دی۔ اس لڑائی میں ایک لاکھ سے زیادہ ایرانی میدانِ جنگ میں کام
۔ معرکہ بویب مسلمانوں کے نزدیک معرکہ جسر کا بھرپور جواب تھا لیکن اس نے مجوسی
کی غیرت کو نچوڑ کر رکھ دیا۔ انہوں نے ملکہ پوران دخت کو معزول کر کے ایک نوجوان
ے یزدگرد کو تخت پر بٹھایا اور خواص وعوام سب متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے
ئے۔ جن علاقوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا وہاں بھی بغاوت کے شعلے بھڑکنے اُٹھے اور
ان چاروں طرف سے خطرات میں گھر گئے۔ حضرت عمرؓ کو خبر پہنچی تو انہوں نے مثنیٰؓ کو لکھا کہ
ی فوج کو سمیٹ کر سرحدِ عرب کی طرف ہٹ آؤ چنانچہ حضرت مثنیٰؓ اپنی فوجوں کو سمیٹ کر
م ذوقار میں مقیم ہوگئے۔ اُدھر حضرت عمرؓ نے تمام عرب میں منادی کرادی کہ لوگ جہاد کیلئے
ہو کر آئیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں مدینہ منورہ میں ہر طرف سے شوقِ جہاد سے سرشار
دمیوں کا سیلاب اُمڈ آیا۔ حضت سعدؓ بن ابی وقاص نے بھی بنوہوازن کے تین ہزار مجاہدین روانہ
یے۔ بقول علامہ شبلی نعمانیؒ حضرت سعدؓ کے آدمیوں میں ایک ایک شخص تیغ وعلم کا مالک تھا

(الفاروق) اِس لشکر کو دیکھ کر حضرت عمرؓ بہت مسرور ہوئے اور ارادہ کیا کہ اس فوج کے ساتھ ایرانیوں کے مقابلے پر نکلیں لیکن صحابہؓ نے روکا اور کہا کہ آپ کا مدینہ میں رہنا ہی مناسب ہے۔ اب سوال پیدا ہوا کہ اِس عظیم مہم کی قیادت کس کے سپرد کی جائے۔ تمام اکابر صحابہؓ اِس مسئلہ میں آپس میں بڑی سرگرمی سے صلاح مشورہ کرنے لگے۔ یکایک حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بول اُٹھے ''میں نے پالیا، میں نے پالیا''۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا، وہ کون؟

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جواب دیا۔ ''سعد بن مالک (ابی وقاص)

سب نے اِن کی رائے سے اتفاق کیا۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت خط لکھ کر حضرت سعدؓ کو نجد سے بلا بھیجا۔ چند دن بعد وہ مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت عمرؓ نے ایران جانے والی فوجوں کی قیادت ان کے سپرد کی اور علمِ امارت ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے نصیحت کہ کے اے سعد ہر حال میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل کرنا، اس کے علاوہ انہوں نے اور بھی بہت سی بیش بہا ہدایتوں سے حضرت سعدؓ کو نوازا جو آگے چل کر قدم قدم پر ان کے کام آئیں۔

حضرت سعدؓ چار ہزار سرفروشوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور اٹھارہ منزلیں طے کرنے کے بعد ثعلبہ کے مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ یہیں حضرت عمرؓ کے بھیجے ہوئے مزید فوجی دستے ان کے ساتھ آ کر مل گئے۔ اس طرح ان کے لشکر کی تعداد بائیس ہزار تک پہنچ گئی۔ ابھی حضرت سعدؓ نے ثعلبہ سے کوچ نہیں کیا تھا کہ حضرت مثنیٰؓ کو خالق حقیقی کی طرف سے بلاوا آ گیا، انہوں نے معرکہ جسر میں جو زخم کھائے تھے ان کے ٹانکے کھل گئے اور کسی علاج سے مندمل نہ ہوئے۔ زخموں کا یہی بگاڑ ان کی موت کا بہانہ بن گیا۔ حضرت سعدؓ ثعلبہ سے چل کر شراف پہنچے تو حضرت مثنیٰؓ کی آٹھ ہزار فوج بھی ان سے آملی۔ مثنیٰؓ کے بھائی معنیٰؓ بھی اپنی بیوہ بھاوج سلمٰی کے ساتھ اس لشکر میں موجود تھے۔ حضرت سعدؓ کو مثنیٰؓ کی رحلت کی خبر سن کا بے پناہ صدمہ ہوا۔ انہوں نے تالیف قلب کیلئے مثنیٰؓ کی بیوہ سلمٰی سے نکاح کرلیا اور معنیٰؓ کو ہدایت کی کہ وہ مثنیٰؓ کے

بچوں کی اچھی طرح سے غور و پراخت کریں۔ شراف میں حضرت سعدؓ نے فوج کا جائزہ لیا تو وہ تمیں ہزار کے قریب ٹھہری۔ شراف سے کوچ کر کے حضرت سعدؓ عذیب پہنچے جو ایرانیوں کی ایک سرحدی چوکی تھی۔ اس کے محافظ ایرانی سپاہی مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر بغیر مقابلہ کیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ عذیب میں چند دن قیام کے بعد حضرت سعدؓ نے قادسیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہ ایک نہایت سرسبز اور شاداب جگہ تھی اور حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو اسی جگہ خیمہ زن ہونے کا حکم بھیجا تھا اور یہ ہدایت بھی کی تھی کہ وہ چند صائب الرائے اور وجیہ آدمیوں کو سفیر بنا کر شاہِ ایران کے پاس بھیجیں جو اس کو جزیہ یا اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے حضرت نعمانؓ بن مقرن کی قیادت مس چودہ آدمیوں کی ایک سفارت مدائن روانہ کی۔ اس سفارت کے تمام اراکین وجاہت، شجاعت اور تقریر و گفتگو میں چوٹی کے لوگ تھے۔ وہ عرب کے سادہ روایتی لباس میں ملبوس گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار مدائن پہنچے تو ایرانی انہیں دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ یہ لوگ کس ہیت کذائی میں اپنے ملک کی نمائندگی کرنے آئے ہیں۔ یزدگرد کو اسلامی سفارت کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے بڑی شان و شوکت سے دربار سجایا اور عرب سفیروں کو بلا بھیجا۔ ان لوگوں نے دربار میں پہنچ کر یزدگرد سے نہایت بے باکانہ گفتگو کی اور اس کو اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس پر یزدگرد غضبناک ہو گیا اور اس نے چلا کر کہا: (جاری ہے)

# جذبہ اِنتقام

(پیر خان توحیدی)

انتقام عفو درگذر کا اُلٹ ہے۔ انتقام کے معنی بدلہ لینا اور عفو درگذر کا مطلب معاف کر دینا۔ اگرچہ اسلام میں انتقام لینے کی اجازت ہے لیکن ساتھ ہی یہ حکم بھی ہے کہ اگر معاف کر دیا جائے تو وہ زیادہ بہتر اور زیادہ افضل ہے۔ لیکن انسان کی فطرت بھی عجیب ہے۔ اگر اِس کے ساتھ کوئی نیکی کرے تو وہ اِس کے معاوضے کیلیے سالہا سال بھی تیار نہیں ہوتا بلکہ بھول ہی جاتا ہے لیکن اگر اس کے ساتھ برائی کی جائے تو جلد از جلد انتقام لینا چاہتا ہے۔ بدی کے مکافات کا جذبہ اس کے دل میں بہت جلد پیدا ہوتا ہے اور بری طرح پیدا ہوتا ہے۔ انتقام کا جن اس کے حواس پر چھا جاتا ہے۔ آسمانی فرشتے **واعفو واصفحوا** کی صدا بلند کرتے ہیں اور **والکاظمین الغیظ** کے نعرے لگاتے ہیں لیکن اسے کچھ سمجھ نہیں آتی کچھ سنائی نہیں دیتا انتقام کا جن اِسے بہرا اندھا بنا دیتا ہے اور وہ انتقام لینے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونے دیتا۔

بارگاہِ ایزدی کا قانون ہے کہ بدی کی سزا بدی کے برابر اور نیکی کی جزا دس گنا دی جاتی ہے لیکن انسانی فطرت کا قانون اس کے برعکس ہے۔ انسان اگر کسی نیکی کا بدلہ دیتا ہے تو اس نیکی کے بقدر یا اِس سے بھی کم لیکن بدی کا بدلہ وہ دس گنا بلکہ کئی گنا زیادہ لینا چاہتا ہے۔ اگر کوئی اِسے تم کہتا ہے تو وہ اسے تو کہتا ہے اور جو اِسے تو کہتا ہے تو یہ اِس کا جواب گالی سے دیتا ہے پھر اِس کا جواب زبان کی بجائے ہاتھ سے دیتا ہے۔

اِنتقام لینے کی طرف انسان بالطبع میلان رکھتا ہے۔ اِس لئے اس کی روک تھام میں زیادہ اہتمام ضروری ہے۔ اِنتقام ایک وحشیانہ عدل ہے قانون نہیں۔ قانون کا کام یہ ہے کہ اِنتقام کی راہ بند کرے۔ جب کوئی شخص کسی کے ساتھ برائی کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ قانون سے تجاوز کرتا ہے لیکن جو شخص اِس کا عوض لیتا ہے وہ قانون کو معطل کرتا ہے۔ دشمن سے انتقام لینے میں آدمی اِس کے برابر بلکہ اِس سے بدتر ہو جاتا ہے۔ مگر معاف کرنے میں اس سے برتر ہوتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کا قول ہے کہ آدمی کی دانائی غصے کو ٹالتی ہے اور یہی اس کی عظمت کا نشان ہے کہ وہ دشمن کی خطا سے درگذر کرے۔ دانشمند حال اور مستقبل کی طرف توجہ کرتے ہیں ماضی کی باتوں کو بھول جاتے ہیں۔ معاف کرو اور بھول جاؤ کے زریں مقولے پر ان کا عمل ہے۔ جن برائیوں کی سزا

قانوناً نہیں مل سکتی اگر اِن کا خفیف سا عوض لے بھی لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر کہیں اس حد تک نہ پہنچ جائے جو قانوناً انتقام لینے والے کو مجرم بنادے اور وہ سزا کا مستحق ٹھہرے جس سے ایک اور دشمن قانون پیدا ہو جائے جس کیلئے پنجابی کی ایک مثل مشہور ہے کہ پرکھ کا مارا نرک کو جائے یعنی غصہ کا مارا دوزخ کو جائے۔

دراصل انتقام ہمیشہ غصہ کی حالت ہی میں لیا جاتا ہے اگر غصہ پر قابو پالیا جائے تو انتقام کا جذبہ بھی منہدم ہو جاتا ہے بزرگوں کا قول ہے کہ غصہ کی حالت میں جو بھی کام کیا جاتا ہے وہ کبھی بھی درست نہیں ہوتا۔ اس کا انجام ہمیشہ خطرناک اور پشیمانی کا باعث بنتا ہے'' خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ'' بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب تعمیر ملت میں غصہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ غصہ ایک طبعی اور نہایت شریف جذبہ ہے۔ جس میں غصہ نہ ہو بے شرم، بے غیرت ہوتا ہے۔ ایسا آدمی دشمن کے مقابلہ میں نہ اپنی جان و مال کی حفاظت کر سکتا ہے اور نہ ہی دین و مذہب کو بچانے میں اس کی رگِ حمیت جوش میں آسکتی ہے لیکن یہی غصہ جب ضرورت سے بڑھ جاتا ہے اور عقل وحواس پر غالب آجاتا ہے تو اس سے زیادہ کمینہ اور نقصان دہ کوئی صفت نہیں۔ انسان کی شرافت اور بزرگی عقل کی وجہ سے ہے لیکن غصہ کی حالت میں عقل غائب ہو جاتی ہے اور انسان جانور سے بھی زیادہ بدتر ہو جاتا ہے''۔ اس حالت میں اُسے اچھائی اور برائی میں کوئی تمیز نہیں رہتی اور وہ انتقام لینے میں خوشی محسوس کرتا ہے اور بڑھ چڑھ کر انتقام لیتا ہے لیکن اس کے عوض جو قانونی سزا خود اس کو بھگتنی پڑتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ طریق انتقام اور جوش غضب نہایت گراں پڑتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ اپنے آپ سے انتقام لیتا ہے۔ یہ امر تحقیق ہے کہ جو شخص انتقام کے درپے رہتا ہے۔ وہ اپنے ہی زخموں کو ہرا رکھتا ہے۔ اگر وہ درپے انتقام نہ رہتا تو یہ زخم بھر کر خود بخود اچھے ہو جاتے۔ بہترین اور سخت ترین انتقام یہ ہے کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ نرمی اور شیریں کلامی کے ساتھ ان کی ہڈیوں کو توڑ دو اور ان کے سر پر کوئلے جلا کر ان کی روح کو مجروح کرو اور ان کی خطائیں اور زیادتیاں معاف کر کے خوشیوں کو پروان چڑھاؤ۔ انتقام استقائے روح ہے کہ اس سلسلہ میں ہم جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اس سے خود ہم ہی کو زیادہ تکلیف پہنچتی ہے۔ جو شخص انتقام لینا چاہتا ہے وہ برائی کرنے والے سے زیادہ برا ہوتا ہے۔ اسی جذبہ انتقام کی بدولت سلطنتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ خاندان برباد ہو جاتے ہیں۔ زندگی کے تمام پروگرام زیروزبر ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنے دل ودماغ سے انتقام اور کینہ کو نکال کر پھینک دے۔ دراصل انتقام لینا وہ پہلی حرکت ہے جو شیطان نے آدمؑ سے کی۔ لہٰذا انسان سے شیطانی

کام کرانے والا انتقام سے زیادہ اور کیا کام ہوگا۔ جذبہ انتقام کا ایک واقعہ جو تقریباً پندرہ بیس سال قبل ایبٹ آباد کے نواحی گاؤں ''مور کلاں'' میں پیش آیا۔ اُس کی تفصیل قارئین کیلئے پیش کرتا ہوں۔ مذکورہ گاؤں کی ایک عورت آبادی کے قریب ایک پہاڑی پر چڑھ کر ایک چھوٹے درخت کی شاخیں کاٹ رہی تھی۔ عورت کے خاندان کا ایک مرد بھی وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے عورت سے کہا کہ یہ درخت اُس کے حصہ میں ہے لہٰذا اِس کی شاخیں کاٹنا چھوڑ دے۔ عورت نے اُس کی بات نہ مانی اور کہا کہ یہ درخت اُن کے حصہ میں ہے۔ اس پر دونوں کے درمیان تلخ کلامی شروع ہو گئی۔ عورت نے شور مچانا شروع کر دیا جسے سن کر عورت کا خاوند جائے وقوعہ پر پہنچ گیا اور عورت کے ساتھ تلخ کلامی کا انتقام لینے کیلئے اس شخص کی پٹائی کر دی چونکہ آبادی قریب ہی تھی۔ چیخ و پکار سن کر دونوں طرف سے خاندان کے لوگ بندوقیں لئے موقع پر پہنچ گئے۔ دونوں طرف سے گولیاں چلنے لگیں۔ سات افراد جن میں دو عورتیں اور پانچ مرد موقع پر ہلاک ہوئے اور کچھ زخمی بھی ہو گئے یہ ہلاکتیں مزید بڑھ سکتی تھیں لیکن گاؤں کے بڑوں نے درمیان میں پڑ کر اس لڑائی کو کنٹرول کیا وہ درخت جو اب جوان ہو گیا ہے ابھی تک وہیں کھڑا ہے لیکن جذبہ انتقام کے جن نے آناً فاناً سات انسانوں کا خون کرا دیا۔ اِن سب متوفیان کی قبریں بھی سڑک کے بالکل کنارے پر واقع ہیں جو ہر آنے جانے والے کیلئے عبرت کا نشان ہیں۔ اِنتقام ایک ایسا جذبہ ہے کہ اِس میں اپنے ہی مزاج کا زہریلا مادہ اپنے او پر اثر کرتا رہتا ہے۔ اگر تم پورا انتقام نہیں لے سکتے تو فی الحال اِس تکلیف میں مبتلا رہو گے اور اگر پورا عوض لے سکتے ہو تو آئندہ خود سخت ترین رنج اُٹھاؤ گے۔ اِنسان کیلئے اِنتقام سے زیادہ اور کوئی چیز گزند رساں نہیں جو اس کو خود اپنے ہاتھ سے پہنچتا رہتا ہے۔

جب اِنسان کے اندر انتقام کی آگ بھڑکتی ہے اور وہ بدلہ لینے کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی قوتوں کا جائزہ لیتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کے اندر کونسی ایسی طاقت موجود ہے جسے وہ حریف کے خلاف کامیابی سے اِستعمال کر سکے پس انسان میں جو خاص طاقت پیدا ہوتی ہے وہ اِسے استعمال کر کے اپنے حریف کو نقصان پہنچاتا ہے اور انتقامی جذبہ کو تسکین دیتا ہے چنانچہ ایک تنومند اور طاقتور انسان جب کسی سے انتقام لینا چاہتا ہے تو اِس کی رگوں میں خون کھولنے لگتا ہے اِس کے بازوؤں میں جنبش ہوتی ہے اور اپنے حریف کو مغلوب الغضب ہو کر جسمانی آزار پہنچاتا ہے اور اپنے دل کا بخار نکالتا ہے اور اگر کسی شخص میں یہ طاقت نہیں ہوتی تو وہ دوسری قوتوں سے اس جذبہ کی تکمیل کرتا ہے۔ لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے ستانے والے

سے انتقام لینے کی طاقت نہیں رکھتے ایسے بے کسوں کا جب دل دُکھتا ہے تو وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں اور ان کے منہ سے اک آہ نکلتی ہے جس کا استقبال خود حق تعالیٰ کرتے ہیں یہی انتقام سب سے سخت ہوتا ہے اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی پھر یہ آہیں بجلیاں بن کر اہل ظلم کے خرمن حیات پر گرتی ہیں لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان صبر وضبط کے ساتھ اپنے معاملات عدالت ایزدی کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اگر لوگوں کو صبر وتحمل کی عادت ہو جائے اور وہ واقف ہو جائیں کہ معاف کرنے کی جو لذت ہے وہ انتقام میں نہیں۔ انتقام کا جذبہ جب ہمارے دل میں پیدا ہوتا ہے تو اِس کے انجام وعواقب کو سوچ لیا جائے تو بڑی حد تک انتقام کی آگ فرو ہو سکتی ہے اور ہمارے قلوب بغض وعداوت کی آلودگیوں سے نجات پا سکتے ہیں۔

**حکایت:۔** ایک نیک دل شخص نے اپنے اکلوتے فرزند کو ایک سو اشرفی دے کر بسلسلہ تجارت سفر پر روانہ کیا۔ پہلی ہی منزل پر ایک ڈاکو نے اِسے قتل کر کے اس کا تمام مال لوٹ لیا چند راہروؤں نے ڈاکو کا تعاقب کیا لیکن وہ بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ رات کی تاریکی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے مقتول کے گاؤں میں اس کے باپ ہی کے گھر پہنچ گیا اور تمام وارداتِ قتل وغارت سنا کر اس سے چند روز کیلئے پناہ مانگی تا کہ خطرے کا وقت ٹل جائے اور اِسے اس خدمت کے عوض مال وغنیمت میں سے نصف حصے کا لالچ بھی دیا۔ نیک دل والد نے تھیلی اور مقدار رقم سے صحیح اندازہ لگا لیا کہ یہ میرا بیٹا ہی قتل ہوا ہے۔ مقتول کے باپ نے تین روز تک اس کی نہایت خاطر تواضع کی اور چوتھے روز اس نے قاتل سے باچشم نم دست بستہ عرض کی کہ جس نوجوان کو تم قتل کر کے اور اس کا مال لوٹ کر لائے ہو فی الحقیقت وہ میرا ہی اکلوتا بیٹا تھا۔ بہتر ہے کہ آپ اب یہاں سے تشریف لے جائیں کیونکہ خطرے کا وقت گزر چکا ہے اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ مبادا شفقت پدری وفطرتِ انسانی سے مجبور ہو کر کسی وقت میرے جذبات انتقام جوش میں آ جائیں اور میں مغلوب الغضب ہو کر تمہیں قتل کر ڈالوں اور ثواب صبر سے محروم رہ کر اُلٹا گرفتار عقوبت ہو جاؤں۔ چنانچہ قاتل فرزند کو مع مال غنیمت بغیر کسی قسم کے اظہار رنج رُخصت کر دیا۔

(حاصل مضمون:۔ عفو درگزر انتقام سے بہتر ہے)

# بابا جان کا دورہ راولپنڈی ۔ اسلام آباد

پیر خان توحیدی

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ باباجی محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب کا امسال جڑواں شہر راولپنڈی، اسلام آباد بھائیوں کی خواہش کے مطابق 15 اکتوبر تا 17 اکتوبر کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ دورے کی مقررہ تاریخ سے دو روز قبل ایک شقی القلب شخص نے باباجی کے داماد جناب محمد افضل بٹ صاحب کو اُن کے محلّہ کی مسجد میں نماز کے دوران شہید کر دیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا سانحہ اور دردناک واقعہ تھا۔ جسکی وجہ سے باباجی کو یہ دورہ ملتوی کرنا پڑا۔ ہم چار بھائی خواجہ ولی محمد صاحب، محمد عتیق عباسی صاحب اور خوشید صاحب فاتحہ کیلئے گوجرانوالہ گئے تو باباجی کے صبر و استقلال میں کسی قسم کی کمی تھی اور نہ ہی رنج وغم کا نشان دکھائی دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب توحیدی بھائیوں کو بابا جی کے نقش قدم پر چل کر ہر قسم کے مصائب رنج وغم اور صدمات کو صبر واستقلال سے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ہم لوگ تین چار گھنٹے باباجی کے پاس ٹھہرے اور آپ کے فرمودات سے مستفیض ہوکر واپس راولپنڈی روانہ ہوئے۔

راستے میں ہمارے بات چیت اسی موضوع پر ہوتی رہی کہ خدا جانے باباجی اس سال بھائیوں کو وقت دے سکیں گے کہ نہیں۔ مرحوم افضل بٹ صاحب کے ایصال ثواب کیلئے بروز جمعہ قرآن خوانی کا پروگرام خواجہ ولی محمد صاحب کے آستانے پر منعقد کیا گیا اور بھائیوں کو بتایا کہ بابا جی کا پنڈی کا پروگرام اس دردناک سانحہ کی وجہ سے ملتوی ہو گیا ہے۔ دِن گذرتے رہے اور ہم لوگ باباجی کے پروگرام کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے کہ یکم نومبر 10ء کو کوئی گیارہ بجے باباجی نے فون پر بتایا کہ وہ دو دن کے پروگرام پر بروز جمعہ 5 نومبر تا بروز اتوار 7 نومبر تشریف لا رہے ہیں۔ باباجی نے یہ بھی فرمایا کہ روانگی پر اطلاع دی جائے گی۔ سب بھائیوں کو بذریعہ فون اطلاع دی گئی اور انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے لگیں کہ بروز جمعہ 9 بجے صبح باباجی کا فون موصول ہوا۔

انہوں نے بتایا کہ ان کے ساتھ پروفیسر طارق محمود صاحب ہیں اور گاڑی گوجرانوالہ سے روانہ ہو رہی ہے سواں اڈے پر تقریباً بارہ بجے پہنچ جائے گی۔ ہم تین بھائی غلام محمد (G.M

حب کی گاڑی میں باباجی کو لانے پہنچ گئے۔ ٹھیک بارہ بج کر پانچ منٹ پر گاڑی پہنچ گئی۔ باباجی
پروفیسر صاحب کو لیکر ہم لوگ واپس خواجہ صاحب کے آستانہ پر آ گئے۔ وہاں پر چند بھائی جن
پنڈی گھیپ کے سلطان صاحب بھی تھے باباجی کا استقبال کیا۔ نماز کا وقت قریب تھا اس
سب بھائیوں نے جمعہ کی نماز ادا کی۔ اتنی دیر میں خواجہ صاحب نے کھانا بھی تیار کرا دیا تھا۔
بھائیوں نے باباجی کے ساتھ ماحاضر تناول فرمایا۔ بابا ایک کمرہ میں قیلولہ کرنے چلے گئے
بھائیوں نے خوب گپ شپ لگائی اور جلد عصر کا وقت ہو گیا۔ نماز کے بعد چائے کا دور چلا۔
ں کی آمد بھی شروع ہوگئی۔ باباجی کی پرلطف باتوں میں وقت کا پتہ بھی نہ چلا کہ مغرب کی
ی کی آوازیں آنے لگیں۔ عزیز عارف صاحب نے اپنی پُرسوز قرأت میں نماز پڑھائی۔ نماز
عد بھائیوں نے ایک بار پھر باباجی کو گھیرے میں لے لیا کیونکہ ابھی بھائیوں کے آنے کا
جاری تھا اسلام آباد کے بھائی بھی پہنچ چکے تھے اس لئے ذکر کا پروگرام شروع ہوا۔ کوئی
ن ساٹھ بھائیوں کے پرنور ذکر کی صدائیں فضا میں گونجنے لگیں جو تقریباً ایک گھنٹہ جاری
۔ ذکر کے اختتام پر باباجی نے دُعا فرمائی جس میں سب بھائیوں کے روحانی درجات
ی ترقی ملک پاکستان کی خوشحالی اور نیک وصالح حکمرانی کیلئے خصوصی دُعا کی گئی۔ دُعا کے بعد
ء کی نماز سنہری مسجد صرافہ بازار کے خطیب صاحب نے پڑھائی۔ نماز کے بعد بھائیوں نے
باباجی کے گرد گھیرا ڈالنے کی کوشش کی لیکن بھائی اقبال احمد نے کھانے کا سگنل دے دیا۔ برتن
کنے لگے۔ دیگچے بجنے لگے۔ مرغی کے گوشت کا قورمہ، تنوری نان اور مزیدار کھیر سے بھائیوں
واضع کی گئی۔ کھانے کے بعد دور دراز سے آئے ہوئے بھائیوں نے اجازت طلب کی مقامی
ں باباجی کے قریب ہو گئے گفتگو کا سلسلہ پھر چل نکلا۔ باباجی بول رہے تھے اور بھائی بڑے
ماک سے سن رہے تھے۔ باباجی ذکر کے بارے میں بتا رہے تھے کہ ذکر خوب ذوق وشوق سے
رنا چاہیے۔ کیونکہ نفی اثبات کے ذکر سے روحانی قوت بڑھتی ہے اور پاس انفاس سے اللہ کی
بت حاصل ہوتی ہے۔ نفی اثبات کا ذکر چاہے ایک ہی تسبیح کیوں نہ ہو بلا ناغہ تواتر کے ساتھ
یک ہی جگہ اور مقررہ وقت پر کرنا چاہیے۔ اِس ذکر سے قلب جاگ اُٹھے گا اور اس میں سوز وگداز

پیدا ہوگا۔ باباجی نے فرمایا کہ پاس انفاس ایسا ذکر ہے جس سے بندے کا رشتہ اللہ سے مضبوط سے مضبوط تر ہوتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ بھی اُسے یاد کرتا ہے اللہ اپنے قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے کہ فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ جب تم مجھے یاد کرتے ہو تو میں بھی تمہیں یاد کرتا ہوں۔ قیامت کے روز جب لوگوں کو حساب و کتاب کے لئے حاضر کیا جائے گا تو کچھ اندھے ہونگے وہ اللہ سے عرض کریں گے کہ ہمارے رب ہم دنیا میں ایسے تو نہ تھے ہم سب کچھ دیکھتے تھے لیکن آج ہم کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے اللہ فرمائے گا ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ تم واقعی وہاں سب کچھ دیکھتے تھے لیکن تم نے دنیا کی رنگینیوں میں اُلجھ کر مجھے بھلا دیا تھا۔ اس لئے آج میں نے تم کو بھلا دیا اور تمہاری بینائی چھین لی ہے۔ حکم ہوگا کہ لے جاؤ ان بدبختوں کو اور پھینک دو جہنم میں۔ اِسی دوران اٹک سے آئے ہوئے بھائی قدرت اللہ صاحب نے پاس انفاس کے بارے میں ایک کہاوت بیان کی کہ ایک ہندو اپنے بُت کے سامنے بیٹھا یا صنم یا صنم کی صدائیں لگا رہا تھا کہ غلطی سے ایک دفعہ اُس کے منہ سے یا صمد نکل آیا۔ جونہی اُس کے منہ سے یا صمد نکلا اُدھر اللہ نے کہا یا عبدی۔ جبرائیل علیہ السلام کو حیرت ہوئی اور کہا اے رب ذوالجلال یہ کافر تو یا صنم یا صنم یا صنم پکارے جا رہا ہے اور آپ اِس کو بھی جواب دیتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا اے جبرائیل واقعی یہ کافر یا صنم یا صنم پکارتا ہے لیکن غلطی سے اِس کے منہ سے یا صمد نکل آیا۔ میری رحمت گوارا نہیں کرتی کہ میں اِس کا جواب نہ دوں اور یاد نہ کروں۔ باباجی کی پُر اثر گفتگو میں وقت کی رفتار بھی کچھ تیز ہوگئی اور گھڑی نے دس بجا دیئے۔ بھائی اُٹھنے کا نام نہیں لے رہے تھے اور باباجی باوجود سفر کی تھکاوٹ اور مسلسل بول چال کے تروتازہ اور ہشاش بشاش دکھائی دیتے تھے۔ تاہم ساڑھے دس بجے محفل اختتام پذیر ہوئی۔ باباجی آرام کیلئے کمرے میں چلے گئے۔ مقامی بھائی بھی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ خوش قسمتی سے آج خواجہ صاحب نے اپنا موبائل فون بند کر کے رکھا ہوا تھا ورنہ بھائیوں کو تین بجے عرفات کا میدان نظر آتا کیونکہ خواجہ صاحب کا موبائل ٹھیک تین بجے لبیک لبیک الھم لبیک کی صدائیں بلند ہونا شروع کر دیتا ہے اور اُس وقت تک چپ نہیں ہوتا جب تک کہ خواجہ صاحب اُس کی گردن پر ہاتھ نہ رکھیں۔ بہر حال بھائیوں نے

رات آرام سے گذاری۔ صبح نماز کے بعد کچھ مقامی بھائی تشریف لے آئے اور باباجی کے ساتھ آٹھ بجے ناشتہ کیا۔

آج 6 نومبر اور ہفتہ کا دن ہے۔ چونکہ اِس دفعہ باباجی کے پروگرام میں اسلام آباد یا بھائی طارق محمود کے ساتھ دامن کوہ کی سیر یا مارگلہ کی پہاڑیوں کے اوپر ناشتہ کرنا شامل نہ تھا اِس لئے محفل اِدھر ہی جمی رہی۔ مقامی بھائی کافی تعداد میں جمع ہو گئے اور باباجی سے فیض حاصل کرتے رہے۔ گیارہ بجے کے قریب سنٹرل اسپتال (موجودہ بے نظیر اسپتال) کے ایک Ent سپیشلسٹ ڈاکٹر شوکت صاحب بھی تشریف لے آئے جنہوں نے انٹرنیٹ کے اوپر سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کا تعارف حاصل کیا اور باباجی سے ٹیلی فون کر کے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ باباجی نے انہیں راولپنڈی آنے کا بتایا اور اِدھر ہی ملاقات کا وقت بھی دے دیا۔ ڈاکٹر صاحب کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُنہوں نے تصوف کا گہرا مطالعہ کیا ہوا ہے اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم کو بھی غور سے پڑھا ہے۔ دوسرے سلاسل کے بزرگوں سے بھی ان کا رابطہ ہے لیکن سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم سے کافی متاثر دکھائی دیتے تھے۔ باباجی نے سلسلہ کی تعلیم پر کچھ مزید روشنی ڈالی اور ڈاکٹر صاحب کو نیک دُعاؤں کے ساتھ الوداع کیا۔ وقت کے گذرنے کا پتہ بھی نہ چلا کہ گھڑی کی دونوں سوئیوں نے ایک دوسرے کو گلے لگا لیا۔ آج بھی باباجان کافی فریش دکھائی دیتے تھے۔ باتوں کا سلسلہ جاری تھا کہ ظہر کی اذان سنائی دینے لگی۔ نماز کے فوراً بعد خواجہ ولی محمد صاحب نے کھانا پیش کر دیا جسے باباجی کے ساتھ موجود بھائیوں نے تناول فرمایا۔ کھانے کے بعد حسب معمول باباجی قیلولہ کرنے چلے گئے۔ بھائیوں نے بھی اپنی کمریں سیدھی کر لیں خواجہ صاحب کی آج طبیعت ذرا ناساز تھی اِس لئے کوئی آپ بیتی نہ سنا سکے۔ بہر حال اٹک سے آئے ہوئے قدرت اللہ صاحب نے محفل کو گرمائے رکھا اتنے میں عصر کی اذانیں ہونے لگیں۔ نماز کے بعد گرما گرم چائے سے بھائیوں کی تواضع کی گئی۔ چائے کے ساتھ ساتھ گفتگو کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ باباجی نے فرمایا کچھ لوگ عشق نبی ﷺ کا دعویٰ تو کرتے ہیں، درود و سلام کی محفلیں سجاتے ہیں، نعتیں بھی سنتے ہیں۔ لیکن نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی اخلاق کی درستگی کی طرف توجہ دیتے ہیں، ایسے لوگوں کے

ہیں۔لیکن نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی اخلاق کی درستگی کی طرف توجہ دیتے ہیں، ایسے لوگوں کے عشق کا دعویٰ بے کار ہے بے سود ہے۔ دراصل ان لوگوں کو یہ علم نہیں کہ عقیدت کیا ہے اور پیروی کیا ہے اور ان دونوں میں افضل کیا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ نبی کی محبت، نبیؐ کا عشق اور آپؐ کی عقیدت ہمارے ایمان کا حصہ ہونی چاہیے۔لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اِس رسولؐ کی کسی بات پر عمل بھی کرتے ہیں جس کی عقیدت کے ہم دعویدار ہیں۔ کیا ہماری زندگیوں میں ہمارے رسولؐ کے اسوہ حسنہ کی کوئی جھلک دیکھائی دیتی ہے؟ جواب نفی ہی میں ہوگا۔لیکن اس کے باوجود ہم رسول اللہ ﷺ سے عقیدت کے نعرے لگاتے ہیں۔ محفلیں سجاتے ہیں۔ یہ کیسی محبت ہے جس میں عقیدت تو ہے لیکن پیروی نہیں۔ باباجی نے فرمایا کہ آپ کی پیروی ہی دراصل شرطِ ایمان ہے۔ اِسی سے نجات ملتی ہے ورنہ خالی خولی نعروں سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ محفل عین شباب پر تھی کہ موذن کی آواز آنے لگی جو پکار رہا تھا اللہ بہت بڑا ہے، آؤ نماز کی طرف۔ آؤ فلاح کی طرف۔ اِسی آواز کے ساتھ محفل برخاست مغرب کی نماز کی تیاری۔ آج مغرب کی نماز کی امامت مولوی نظیر احمد صاحب نے کرائی۔ یہ مولوی صاحب پکے توحیدی ہیں ٹی وی سے انہیں سخت چڑ ہے اور ٹی وی والوں پر فتوے لگانے میں دیر نہیں کرتے۔ نماز کے بعد حسب معمول ذکر کی محفل شروع ہوئی الا اللہ کی ضربوں سے خواجہ ولی محمد کا آستانہ گونج اُٹھا اور یہ پروگرام تقریباً 7 بجے اختتام کو پہنچا۔ باباجی نے بھائیوں کی دینی دنیاوی ترقی روحانی درجات اور پاکستان کی سلامتی واستحکام کیلئے خصوصی دُعا فرمائی۔ دُعا کے بعد کھانا پیش کیا گیا۔ آج حلیم، تنوری نان اور گریوں باداموں والے حلوہ سے بھائیوں کی تواضع کی گئی۔ کھانے کے بعد بھائیوں نے باباجی کو گھیرے میں لے لیا اور آپ کے فرمودات پند و نصائح میں ہمہ تن گوش ہو گئے۔ باباجی نے بھائیوں کو بتایا کہ عشاء کی نماز دیر سے پڑھنا بھی سنت ہے کیونکہ اِس نماز کی ادائیگی کے بعد مومن کیلئے اور کوئی کام نہیں سوائے سو جانے کے تاکہ وہ صبح نماز کیلئے آسانی اُٹھ سکے۔ لیکن موجودہ دور میں لوگ عشاء کی نماز کے بعد دنیا جہاں کے خرافات ٹی وی اور ریڈیو پر دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں اور اگر کوئی کرکٹ کا میچ آ جائے تو ساری رات آنکھوں میں گذار دیتے ہیں اور پھر وہی خرافات دل و

ڈونگے۔ نہاری سے بھری ہوئی کڑاہیاں اور روغنی نان شامل تھے۔ نہایت ہی مرغن اور لذیز ناشتہ تھا۔ بلکہ دوپہر کا کھانا تھا۔ کھانے کے دوران ایک دفعہ میری نگاہ بے ارادہ جو طارق صاحب پر پڑی تو وہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر پایوں کا سوپ ایک باؤل نما پلیٹ سے لئے جا رہے تھے۔ کھانے کے بعد میں ان کی خبر لینے ان کے پاس آیا تو وہاں ہڈیوں کے ڈھیر دیکھ کر راز کھلا کہ انہوں نے وہ جگہ کیوں منتخب کی تھی۔

چیمہ صاحب نے کہا کہ اب چائے کیلئے گھر جانا ہوگا۔ جو ڈیفنس کالونی میں واقع ہے، ہم نے اِس پر اعتراض کیا تو چیمہ صاحب نے یہ لاجک پیش کیا کہ بابا جی نے اُدھر ہی سے یعنی سواں اڈہ سے جانا ہے کوئی دیر نہ ہوگی۔ اب یہ توحیدی کارواں چائے پینے کیلئے ڈیفنس کالونی کی طرف روانہ ہوگیا۔ کوئی گھنٹہ پونا گھنٹہ کی ڈرائیو کے بعد چیمہ صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ چیمہ صاحب کے بیٹے جاوید صاحب نے بھائیوں کا اِستقبال کیا اور ایک کھلے لان میں گرین ٹی (کشمیری چائے) پیش کی۔ بڑا خوشگوار ماحول اور بابا جی کے خوشگوار باتوں میں چائے نوش کی۔ اب اِس کارواں کی آخری منزل سواں اڈہ تھا۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے بابا جی اور پروفیسر طارق محمود صاحب کو بذریعہ پیٹھر (HIACE) گوجرانوالہ الوداع کیا۔ توحیدی کارواں بھی اپنے اپنے ٹھکانوں کو روانہ ہونے کیلئے واپس راولپنڈی پہنچ گیا۔ بابا جی نے چار بجے مرکز پہنچ کر خیریت کی اطلاع دی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ بابا جی کا سایہ ہمارے سروں پر سدا قائم رہے اور آپ کے فیض سے ہمارے دلوں کو جلا بخشے۔ (آمین)

اِس دائرہ پر رکھ کر آنے والے ملاقاتی سے کہنا کہ قاضی صاحب یہاں موجود نہیں۔ اور کچھ لوگ جنہیں اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہے وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا حیلہ اس طرح بناتے ہیں کہ جب زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت قریب آتا تو سال پورا ہونے سے پہلے اپنی دولت اپنی بیوی یا بیٹے کے نام ٹرانسفر کر دیتے ہیں اور اس کے 11 ماہ بعد پھر اپنے نام کرا لیتے ہیں وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اللہ تو سب کچھ دیکھنے والا اور جاننے والا ہے لیکن انہیں کروڑوں روپوں پر لاکھوں روپوں کی زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں کمی آ جانے کا ڈر لگتا ہے۔ حالانکہ اللہ بار بار فرماتا ہے کہ **انفقو مما رزقناکم** کہ خرچ کرو اللہ کے نام پر اُس مال سے جو میں نے تمہیں دیا ہے۔ بابا جی نے فرمایا کہ ہر وقت اللہ سے دُعا کرو کہ اللہ ہمیں شیطانی مکر و فریب سے اپنی حفظ و امان میں رکھ اور اگر تو نے مجھے مال و دولت سے نوازا ہے تو مجھے اِس کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کا دل بھی عطا فرما۔

چونکہ وقت کافی ہو چکا تھا گھڑی کی سوئیاں ساڑھے دس بجا رہی تھیں ۔ اسلام آباد سے آئے ہوئے بھائی جناب محمد شریف چیمہ صاحب نے بابا جی سے اجازت طلب کی اور ساتھ ہی ساتھ صبح کے ناشتہ کی درخواست پیش کی۔ بابا جی نے فرمایا کہ پروگرام میں یہ شامل نہیں اور صبح جلدی جانا بھی ہے۔ بابا جی کو معلوم تھا کہ چیمہ صاحب ناشتے کا بندوبست اپنے آرچرڈ ہوٹل ہی میں کریں گے جو مری کی پرفضا پہاڑیوں میں واقع ہے۔ وہاں جانے پر گوجرانوالہ روانگی میں دیر ہو جائے گی۔ لیکن چیمہ صاحب بھی پیچھے ہٹنے والے نہ تھے۔ انہوں نے بابا جی کو گوجرانوالہ اپنی گاڑی میں چھوڑنے کی حامی بھر لی۔ بابا جی کی شفقت آڑے آ گئی اور آپ نے رضا مندی کر دی لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم بس پر ہی جائیں گے بس ذرا جلدی فارغ کر دینا۔ اعلان عام کیا گیا کہ سب بھائی صبح آٹھ بجے خواجہ ولی محمد صاحب کے آستانہ پر حاضر ہو جائیں جن بھائیوں کے پاس اپنی گاڑیاں ہیں وہ بمع گاڑی تشریف لائیں۔ دو گاڑیاں چیمہ صاحب نے بھیجنے کی حامی بھر لی۔ اس کے بعد محفل برخاست ہو گئی ۔ بابا جی بھی آرام کرنے اپنے کمرہ میں چلے گئے۔ باہر سے آئے ہوئے بھائی بھی خواجہ صاحب کے پہلو میں سو گئے۔ آج بھی خواجہ صاحب نے نہ تو کوئی آپ بیتی سنائی اور نہ ہی عرفات کی سیر کرائی۔ موبائل آج بھی خاموش رہا۔

کہ اگر نماز دیر سے نہیں پڑھی جاتی تو کم سے کم وتر ہی موخر کر کے سونے سے قبل ادا کرنے چاہیئں اور صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنی چاہیے۔ جو لوگ نماز میں سستی کرتے ہیں۔ نماز نہیں پڑھتے اور اگر پڑھتے ہیں تو اپنی مرضی سے پڑھتے ہیں وہ بڑے دھوکے میں مبتلا ہیں اللہ کو ایسی نمازوں کی ضرورت نہیں۔ باباجی نے بھائیوں سے کہا کہ اذان کی آواز کانوں تک پہنچے تو دنیا کے کاموں کو چھوڑ کر نماز کی تیاری کرنی چاہیے اور ہر نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنی چاہیے۔ باباجی نے قبلہ انصاریؒ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ انصاریؒ صاحب نے توحیدی بھائیوں کو نماز کی سخت تاکید فرمائی ہے اور تعمیر ملت میں بھی لکھا ہے کہ جو توحیدی نماز میں سستی کرے گا یا نماز نہیں پڑھے گا تو مصائب اور پریشانیوں میں مبتلا رہے گا جسمیں سب سے بڑی پریشانی رزق کی کمی ہوگی۔ چونکہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اس لئے وہ ہر نیکی کے کام میں رکاوٹ کھڑی کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ دائیں سے بائیں سے آگے اور پیچھے سے حملہ آور ہوتا ہے حیلے اور بہانے بنانے کے طریقے انسان کے دل و دماغ میں پیدا کرتا ہے مثلاً ابھی وقت بہت ہے تھوڑا سا اور سو جاؤ۔ تھوڑا سا کام اور کرلو۔ سودا اور بیچ لو گاہک چلا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اِس طرح کے سبز باغ دکھا کر وہ بندے کو قابو کر لیتا ہے اور اُس کی نماز قضا ہو جاتی ہے اور اگر کوئی تھوڑی بہت ہمت کر کے نکل جاتا ہے تو دوسرا حملہ اس طرح کرتا ہے کہ جلدی کرو منہ پر چھینٹے مارو اور نماز میں شامل ہو جاؤ۔ بندہ لیٹ تو ہو ہی جاتا ہے اب نہ وہ اچھی طرح وضو کرتا ہے اور نہ ہی تسلی سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ایسی نمازیں پڑھنے والوں کے متعلق اللہ نے فرمایا: فویل للمصلین ○ الذین ھم عن صلاتھم ساھون ○ پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کیلئے جو اپنی نماز کی ادائیگی سے غافل ہیں۔ باباجی نے حیلے بہانے بنانے کے بارے میں ایک دلچسپ بات سنائی فرمایا کہ شیطان بڑے بڑے عالموں، زاہدوں اور واعظوں کو بھی اِن حیلے بہانوں کے چکروں میں پھنسا دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک قاضی صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ اُس نے اپنی نوکرانی سے کہہ رکھا تھا کہ اگر میں گھر میں موجود ہوں اور کسی سے ملاقات نہ کرنا چاہوں تو تم دروازے کے پیچھے پنسل یا چاک سے ایک دائرہ بنا کر اپنی اُنگلی

صبح کو بھائیوں کی آمد شروع ہو گئی حسب وعدہ چیمہ صاحب نے دو گاڑیاں بھیج دیں عتیق عباسی صاحب، G.M صاحب اور اسحاق صاحب بھی بمع گاڑیوں کے حاضر ہو گئے۔ طارق محمود صاحب چونکہ حسب عادت رات کو ذکر میں شامل نہ تھے اس لئے انہیں اس دعوت کا علم نہ تھا۔ دل تو چاہتا تھا کہ اِن کو اطلاع نہ کروں لیکن نہ جانے کیوں ان کو فون کر دیا اور چیمہ صاحب کی دعوت کے بارے میں بتا دیا۔ آرچرڈ کا نام سن کر وہ بے اختیار اُچھل پڑے کیونکہ فون پر کچھ اُچھل کود کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور ایک ہی سانس میں نہ جانے کتنے سوال کر ڈالے۔ مثلاً میرے ساتھ کون جائے گا؟ میں کہاں آؤں گا؟ کس وقت آؤں گا؟ سیدھا آرچرڈ چلا جاؤں؟ وغیرہ وغیرہ میں نے اِن کو تسلی دی کہ اتنے Emotional ہونے کی ضرورت نہیں ابھی بہت وقت ہے۔ آپ کو ساتھ لیکر جائیں گے۔ روانگی آٹھ بجے ہو گی۔ آپ آٹھ بجے خواجہ صاحب کے آستانہ پر پہنچ جائیں۔ سب بھائی جب پہنچ گئے تو یہ توحیدی کاروان آرچرڈ کی طرف رواں دواں ہو گیا۔ یہ ہوٹل راولپنڈی سے تقریباً پچیس چھبیس کلومیٹر کی مسافت پر سترہ میل مری روڈ پر واقع ہے۔ یہ کاروان تقریباً پونے گھنٹہ میں منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ چونکہ یہ ہوٹل مری روڈ ڈبل وے کے عین سنٹر میں واقعے ہے جہاں سے دونوں طرف دوڑنے والی گاڑیاں سرسبز شاداب پہاڑیوں کے درمیان عجیب نظارہ پیش کرتی ہیں۔ ہوٹل کے اِردگرد زیتون مالٹے اور کئی دوسرے درختوں نے گھیرا ڈال رکھا ہے۔ جس سے اِس کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ سارے درخت روئیداد خان صاحب نے محنت اور لگن سے لگائے اور پروان چڑھائے ہیں اللہ کے فضل سے اب یہ سارے درخت بارآور ہو چکے ہیں۔ یہ توحیدی کاروان اِنہی درختوں سے ہوتا ہوا ہوٹل میں پہنچ گیا۔ بڑے قرینے اور سلیقے سے ٹیبل لگے ہوئے تھے بھائی اِن ٹیبلوں کے اِردگرد براجمان ہو گئے کونے میں ایک چھوٹا ٹیبل بھی لگا ہوا تھا جس پر صرف چار آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ طارق صاحب نے بمعہ اپنی مختصر پارٹی جس میں علی طارق صاحب، اسلام صاحب اور ایک نامعلوم شخص شامل تھا وہاں ڈیرے ڈال دیئے۔ میں حیران تھا بلکہ پریشان تھا کہ طارق بھائی نے یہ تنہائی کیوں منتخب کی۔ لیکن یہ راز بعد میں کھلا۔ کھانا ٹیبلوں پر لگایا گیا جس میں پایوں سے بھرے

’’جب نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کیا کرو کھڑے اور بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے‘‘۔

**اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ○**

(عنکبوت۔45)

’’جو کتاب تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کرو۔ اور نماز کے پابند رہو۔ کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی بات ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کو شیطان کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے نماز اور ذکر کا مضبوط نظام قائم فرما دیا۔ اللہ نے تاکید فرما دی کہ اپنے دِلوں کے تار میرے ساتھ ملا کر رکھو گے تو پھر شیطان اس میں خلل ڈالنے کی جرات نہیں کر سکے گا تم چوبیس گھنٹے میرے ذکر میں رہو تو تمہارا دشمن بے بس اور مایوس ہو جائے گا۔

اسی لئے تاکید فرما دی کہ میرے ذکر سے کبھی غافل نہ ہونا کہ اس طرح تم اس محفوظ قلعے سے باہر نکل جاؤ گے اور شیطانی لشکر تمہیں آسانی سے شکار کر لیں گے۔

’’اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کر دیا کہ وہ خود اپنے تئیں بھول گئے۔ یہ بد کردار لوگ ہیں۔‘‘ (حشر۔19)

’’اے ایمان والو تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے۔ اور جو ایسا کریں گے تو وہ خسارہ اٹھانے والے ہونگے۔‘‘ (منافقون۔9)

’’جو اللہ کے ذکر سے آنکھیں بند کر لے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔‘‘ (زخرف۔36)

’’اور جو میرے ذکر سے منہ پھیر لے گا تو اُس کے لئے تنگی کا جینا ہو گا اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔‘‘ (طہٰ۔124)

شیطان **فحشاء ومنکر** کی ترغیب دیتا ہے۔ اہل ایمان کو ان سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کر دی اور فرمایا کہ یہ تمہیں **فحشاء ومنکر** سے بچالے گی۔

حضور علیہ السلام نے نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ’’نماز دین کا ستون ہے جس نے

# بابا جان کا تبلیغی دورہ (قسط نمبر ۲)

(جڑانوالہ و چوک اعظم)

پروفیسر طارق محمود

بابا جان نے حلقہ ذکر کیلئے خادم حلقہ لیاقت صاحب کو دعوت دی۔ ذکر کے بعد نماز عشاء ادا
ئی اور کھانا تناول کیا۔
ناشتہ مبشر صاحب نے کروایا اس کے بعد اہل خانہ اور خواتین کیلئے نشست تھی جو تین گھنٹے
جاری رہی اِس نشست میں تین بہنوں نے بابا جان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ نمازِ جمعہ ادا کی گئی
انا کھایا گیا۔ نماز عصر کے بعد عامر بھائی نے بابا جان کیلئے چائے کی نشست کا اہتمام کیا تھا
پر عامر صاحب نے اپنے اہل خانہ کو بھی شریک دعوت کیا۔
بابا جان نے نشست سے پہلے بہت ہی اہم معاشرتی پہلو، باہمی پیار اور محبت اور احترام کے
وع پر مختصر گفتگو فرمائی اِس میں ایک حدیث بھی نقل فرمائی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا
نہ کعبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) خدا کی قسم اے کعبہ ایک مومن کی عزت، مال و جان تم
زیادہ مقدم ہے۔
ہم ذرا تھوڑی دیر کیلئے اِس حدیث پر غور فرمائیں اور ہر مومن بھائی کو چلتا پھرتا کعبہ سمجھیں۔ تو
ق سلب کرنا تو دور کی بات ہم اِس کے بارے میں بُرے خیال سے بھی پرہیز کریں گے۔
محفل کا انتظام حسب معمول پروفیسر غلام شبیر صاحب کی طرف تھا۔ مغرب کی نماز سب
ھیوں نے مل کر ادا کی۔ نماز کے بعد بابا جان نے ذکر فضائل پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

**یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُو اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا o** (احزاب۔41)

''اے ایمان والو اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو''۔

**فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْلِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنَ o** (بقرہ۔152)

''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو''۔

**فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُو اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَعَلٰی جُنُوْبِکُمْ o**
(نساء۔103)

اِسے قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اِسے گرا دیا اس نے دین کو گرا دیا'' نماز کی اہمیت دیکھئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

''رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو نماز پر قائم رکھیو'' اور حضور رحمۃ اللعالمین نے یہ دُعا تلقین فرمائی: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ ''اے اللہ تو میری مدد فرما کہ تیرے ذکر، تیرے شکر اور حسن عبادت پر قائم رہوں''

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْآ اٰمَنَّا بِاَفْوَاھِھِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُھُمْ۔ (مائدۃ۔41)

''اے پیغمبر جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں اِن لوگوں میں سے جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے لیکن اِن کے دل مومن نہیں ہیں انکی وجہ سے آپ غمناک نہ ہونا''۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْآ اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُم ط (حجرات۔14)

''دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ کہہ دیں کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا''۔

جب تک ایمان دل میں گھر نہ کر لے۔ جب تک دل کی سیاہی دور نہ ہو جائے جب تک دل اللہ تعالیٰ کی محبت کی حرارت سے زندہ نہ ہو جائے تب تک نہ تو ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے نہ ہی دل کے قرب کا سفر شروع ہوتا ہے، جب دل کی اصلاح ہو جائے تو جسم انسانی کے تمام اعضاء و جوارح درست کام کرنے لگتے ہیں۔ دل کی بیداری ہی سے حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کے اصحابہ کی مبارک جماعت خیر الامت قرار پائی اور اِس زندگی میں ہی انہیں رضی اللہ عنہم کا اعزاز عطا کیا گیا۔ اس عظیم سعادت کی بنیادی وجہ حضور نبی کریم ﷺ کی نظر رحمت اور فیضان صحبت ہے۔ آپ کی نورانی مجالس کے طفیل اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں اِس طرح نفوذ کر جاتی تھی جو کسی دوسرے طریقے یا کثرتِ عبادت سے ممکن نہیں تھی۔ اسی بناء پر یہ عقیدہ متفقہ ہے کہ کوئی غیر صحابی خواہ وہ کتنا ہی بڑا بزرگ کیوں نہ ہو کسی ادنیٰ صحابی کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام کے فیض سے تابعین اور انکی صحبت سے تبع تابعین کی جماعت وجود میں آئی۔ رُوحانی توجہ، قلبی فیض،

جذب دروں اور ایمان کی مقناطیسی کشش کے ذریعے دلوں کی اِصلاح کا طریقہ ہی اللہ والوں کی پہچان اور تصوف کے سلسلوں کی خصوصیت ہے۔ گلاب کے پھول کی رنگین تصویریں دیکھنے اور اُس کے بارے میں ضخیم کتابیں پڑھنے سے نہ گلاب کی خوشبو کا عرفان حاصل ہوسکتا ہے نہ اِس کی محبت دل میں جاگزین ہوسکتی ہے۔ اِس کے لئے حضور محسن انسانیت ﷺ نے راہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "نیک آدمی کی صحبت عطار کی دکان کی مانند ہے"۔ اِن کے پاس گلاب کا عطر موجود ہوسکتا ہے وہ تمہیں بھی عطا کر دیں گے۔ اگر نہ مل سکا پھر بھی جتنی دیر وہاں بیٹھو گے خوشبو سے تو لطف اندوز ہو گے۔ اللہ تعالیٰ کے عارفوں اور مقربینِ بارگاہ بزرگوں کے وجود کی برکات کے بارے میں حکیم الامت ؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے
اِسی سے ریشہء معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

نماز مغرب کے بعد حلقہ ذکر کیلئے ندیم صاحب کو دعوت دی گئی حلقہ ذکر کے بعد نمازِ عشاء اور پھر کھانا کھلایا گیا۔ بابا جان سے گفتگو کا دوبارہ سلسلہ شروع کیا گیا۔ نئے آنیوالے بھائیوں سے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم کے بارے میں بابا جان نے گفتگو کی۔

نشست بیعت ہوئی دو بھائیوں نے بابا جانؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ساڑھے دس بجے کے قریب ہم واپس چوک اعظم کیلئے روانہ ہوئے۔

صبح سات بجے عامر بھائی کی طرف ناشتہ کیا اور چائے مولوی (خوشبو والے) کے کیفے پر پی یہاں سب بھائی ہمیں الوداع کرنے کیلئے پہنچ چکے تھے۔ محبت، خلوص اور نیک تمناؤں کے ساتھ ہمیں الوداع کہا گیا۔ آٹھ بجے ہم نے واپسی کا رختِ سفر باندھا۔ محبت وخلوص کے پیکر رضوان صاحب، عامر صاحب اور مبشر صاحب بابا جان کو چھوڑنے گوجرانوالہ تک آئے۔ اللہ تعالیٰ اِن کے کاروبار میں برکت اور روحانیت میں درجات بلند کرے۔ (آمین)

کے اتھاہ اندھیروں سے نکالنے میں اہم ترین کردار ادا کیا تھا۔ میں جب اس کے گھر پہنچی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ کچھ ایسے انداز میں عبادت کر رہی تھی جس کا مشاہدہ مجھے کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ فارغ ہوئی اور میں نے اِس کے طرزِ عبادت کے بارے استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ دراصل اس نے اسلام قبول کرلیا ہے پھر اس نے مجھے اسلام کی بنیادی تعلیمات کا تعارف کرایا اور اسلام کے بارے میں چند کتب عنایت کیں جن میں قرآن کا انگریزی ترجمہ بھی تھا۔

قرآن کے مطالعے نے مجھے یقین وایمان کی روشن شاہراہ پر لا کھڑا کیا۔ میں اس کتاب سے بے حد متاثر ہوئی۔ اللہ کی واحدانیت، اس کی عظمت وشوکت، اِس کی رحیمی وکریمی دل پر نقش ہوتی چلی گئی۔ میں نے دیکھا کہ قرآن بار بار عقل کو اپیل کرتا ہے اور انسانی ذات کے اندر اور کائنات میں پھیلی ہوئی مختلف اشیاء اور آثار کی جانب متوجہ کرکے قرآن غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس بائبل کی تعلیم یہ ہے کہ عقیدے اور ایمان کا عقل سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ قرآن سے میرا تعلق لحہ بہ لحہ مضبوط ہوتا چلا گیا۔ مذکورہ خاتون نے اسلام کے بارے میں جو کتابیں دی تھیں، ان کے مطالعے سے اس دین کی تعلیمات مزید نکھر کر سامنے آئیں اور جب میں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کیا تو حیرت اور خوشی سے کچھ نہ پوچھئے کہ میری کیا کیفیت ہوئی اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک روز میں نے کلمہ طیبہ پڑھ کر اِس نیک خاتون کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔

اب میں روزانہ اِس عظیم خاتون کے گھر جاتی ہوں اور وہ مجھے اسلامی زندگی کے کسی نئے رُخ سے متعارف کراتی ہے۔ میں اِس مشفق وحلیم خاتون کے رویے سے جان گئی ہوں کہ اسلام محبت و اخلاص کا مذہب ہے اور جو اسے ایک پروگرام کے تحت دانستہ اختیار کرتا ہے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے، وہ محبت اور اخلاص کا پیکر بن جاتا ہے۔ آج میں بھی اپنی محسنہ کی طرح دینی تعلیمات پر عمل کرتی ہوں اور بے حد مسرور ومطمئن زندگی گزار رہی ہوں۔ کچھ ہی عرصہ پہلے میں نے اپنی سرگزشت کو کتابی صورت میں مرتب کردیا جس کے بعد مجھے سینکڑوں خطوط آئے جن میں لوگوں نے کتاب کی تعریف میں لکھا تھا کہ تمہاری زندگی نے ہمیں جینے کا نیا حوصلہ عطا کیا ہے اور خدا پر ایمان پختہ ہوا ہے۔

کرنا، اِس کا عمومی مزاج ہے۔ پھر یہ دونوں کمزور اور محدود انسانی صلاحیتیں ظاہر ہے ایک لامحدود لافانی قوت کا احاطہ کس طرح کرسکتی ہیں۔ اِس کا ادراک اور یقین تو دو ہی طرح سے ہوسکتا ہے۔ انسان کی اپنی ذات میں اور کائنات میں جو ان گنت اور بے حد و شمار نشانیاں موجود ہیں، ان کو دیکھے اور پھر ان پر غور و فکر کرے تو لازماً وہ خالقِ کائنات کے وجود کا قائل ہوجائے گا۔ اور دوسرا ذریعہ نبیوں کی تعلیم ہے۔ اگر ٹھنڈے دل و دماغ سے، سنجیدگی کے ساتھ مذہبی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے گا اور ان پر تفکر و تدبر کیا جائے گا، تو بھی خدا کی تفہیم آسانی سے ہوسکتی ہے''۔

اِس شفیق و کریم خاتون کی گفتگو اور محبت آمیز رویے نے شک کے بہت سے کانٹے دل سے نکال دیے اور مجھے ایک عرصے کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے متلاطم موجوں کے درمیان کسی ڈوبتے ہوئے شخص کو اچانک ایک مضبوط تختے کا سہارا مل جائے۔ مایوسی کے اندھیرے چھٹتے ہوئے نظر آئے اور اِس رات پہلی بار میں نے خدا کے حضور جھکنے کا شرف حاصل کیا اور میں نے رو رو کر التجائیں کیں۔

''میرے خدا، میرے عظیم خدا، میرے رحیم خدا تو بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے، تو اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ میں ایک کمزور اور نادان عورت ہوں اور تباہی کے کنارے پر کھڑی ہوں اور اب وہ لوگ بھی پریشان ہیں جو مجھ سے ہمدردی کا تعلق رکھتے ہیں۔ مجھ پر رحم کر اور مجھے مایوسی کے اندھیروں سے نکال دے''۔

میں نے یہ دُعا بار بار مانگی اور رو رو کر مانگی۔ نتیجہ یہ کہ دل کا غبار دھل گیا اور یاس کی تاریکیوں میں امید کے جگنو ٹمٹمانے لگے اور حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ذہن و فکر کی دنیا میں ایک نئی زندگی کو طلوع ہوتے دیکھنے لگی۔ ایک عزم پاکیزہ میرے اعصاب میں بیدار ہونے لگا۔

اور جلد ہی میری صحت بحال ہونے لگی اور زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ میں مکمل صحت یاب ہوکر اپنے گھر آ گئی۔ منشیات کی لعنت سے مجھے مکمل چھٹکارا مل گیا تھا اور یہ صرف اور صرف خدائے واحد کی ذات پر یقین و ایمان کی وجہ سے ممکن ہوا تھا۔

صحت یابی کے بعد ایک روز میں اپنی اِس محسنہ کے گھر گئی جس نے مجھے دہریت اور بے یقینی

خاص قسم کی اپنائیت اور اُنس محسوس ہوتا۔ وہ کہا کرتی تمہارا سب سے بڑا مرض یہ ہے کہ تم خدا کو نہیں مانتی حالانکہ انسان کی اپنی زندگی اور کائنات کی ایک ایک چیز اس کے وجود کی شہادت دے رہی ہے۔ اِس نے دلیل دی ''یہ جو گھڑی تم نے کلائی کے ساتھ باندھ رکھی ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خود بخود بن گئی ہے اور کوئی اِس کا بنانے والا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی اس طرح کی سوچ رکھتا ہے تو وہ نرا احمق ہے، عقل و خرد سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ تو جب یہ حتمی حقیقت ہے کہ ایک معمولی گھڑی خود بخود نہیں بنی، یہ عینک اور یہ جوتا محض اتفاق سے وجود پذیر نہیں ہوا، تو پھر یہ خیال کرنا کہ ہماری یہ آنکھیں، یہ ہاتھ، یہ پاؤں بغیر کسی خالق کے بن گئے ہیں، کتنی احمقانہ اور بے بنیاد سوچ ہے''۔

وہ خاتون محبت اور شفقت سے میرا ہاتھ پکڑ کر میری آنکھوں میں جھانکتی اور دل سوزی سے کہتی ''یقین کرو کہ اس کائنات کا، اِس عظیم پُراسرار کائنات کا ایک خالق ہے اور ملک ہے۔ اُسی نے ہمیں پیدا کیا ہے، اور اُسی نے انسانوں کو حیرت انگیز جسمانی نظام اور ذہنی و عقلی اور عملی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ وہ زندہ و پائندہ اور حی و قیوم ہے۔ ہماری ایک ایک حرکت اِس کی نظروں کے سامنے ہے اور ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے کمپیوٹروں میں محفوظ ہو رہا ہے''۔

''لیکن اگر وہ موجود ہے تو پھر دکھائی کیوں نہیں دیتا اور ہماری عقل اس کا احاطہ کیوں نہیں کرتی؟''۔

میرے اعتراض پر وہ خاتون مسکرائی اور کہنے لگی کہ ''میری پیاری بیٹی انسانی بصارت اور عقل کی استعداد بڑی محدود ہے، ضروری نہیں کہ یہ ہر چیز کا احاطہ کر سکیں۔ ذرا دیکھو اسی دنیا میں ہمارے اردگرد ایسی متعدد چیزیں موجود ہیں جو اپنا وجود رکھتی ہیں لیکن نظر نہیں آتیں۔ بجلی اور ہوا اِس کی ٹھوس مثالیں ہیں۔ ایٹم کو بڑی سے بڑی خوردبین نہیں دیکھ سکی لیکن کون ہے جو اِس کے وجود سے انکار کرتا ہے؟ اِسی طرح اِس کائنات میں لازماً ایک سپریم قوت موجود ہے جو سارے نظاموں کو چلا رہی ہے۔ لیکن ہماری کمزور، محدود بصارت اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ رہی عقل تو وہ بھی محدود اہلیت کی حامل ہے اور روزمرہ زندگی میں دھوکے کھانا اور معمولی معاملات کا ادراک نہ

ہمیں خدا کیونکر ملا؟

# میری کینڈی

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

میرا تعلق امریکہ سے ہے۔ پیشے کے اعتبار سے چند سال پہلے تک میں آرٹسٹ تھی اور فن کی دنیا میں میرا ایک نام تھا، اِس لئے لاکھوں میں کھیلتی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے میں ذہنی اعتبار سے دہریہ تھی۔ یعنی خدا کی منکر تھی اور مذہب و اخلاقی قدروں کو لایعنی سمجھتی تھی۔ میرے نزدیک زندگی کا مقصد محض عیاشی تھا اور بس۔۔ اندازہ کیجئے کہ میں نے یکے بعد دیگرے چار شادیاں کیں لیکن کسی بھی خاوند سے میرا نباہ نہ ہوسکا۔۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ میرا سکون مکمل طور پر لٹ گیا۔ عیش کا کوئی انداز مجھے مسرت سے ہمکنار نہ کرتا اور افسردگی و پژمردگی ہمہ وقت میرے دل و دماغ پر چھائی رہتی۔

بھوک اور نیند ختم ہو کر رہ گئی۔ میں گھنٹوں بستر پر کروٹیں بدلتی رہتی لیکن پرسکون نیند میری زندگی سے جیسے مستقلاً رُخصت ہوگئی تھی۔ تنگ آ کر میں نے نیند آور دواؤں کا اِستعمال شروع کر دیا اور جب یہ بھی بیکار ثابت ہوئیں۔ تو شراب اور دیگر منشیات میری زندگی کا مستقل حصہ بن گئیں۔ لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ ڈپریشن ہمہ وقت مجھے گھیرے رہتا اور خوف میرے اعصاب کو کچلتا رہتا۔ اندازہ کیجئے میری مایوسی کا یہ عالم تھا کہ کئی بار میں نے خودکشی کی کوشش کی۔ لوگوں سے ملنا ملانا ختم ہوگیا، مستقل چڑچڑے پن اور مردم بیزاری کی وجہ سے کوئی مجھے ملنا پسند نہ کرتا۔ اور ایک ماں کے سوا دنیا میں میرا کوئی ہمدرد اور غمگسار نہ رہا۔ نتیجہ یہ کہ آخر کار مجھے ایک دارالامان (Asylum) میں داخل ہونا پڑا۔ جہاں عادی نشہ بازوں کا علاج ہوتا تھا۔

یہ وہ صورتِ حال تھی جب ایک خاتون فرشتہ رحمت بن کر میری زندگی میں داخل ہوئی۔ یہ ہماری ہمسائی تھی جو میری ماں کی گہری دوست بھی تھی اور مزاج اور عادات کے اعتبار سے منفرد خصوصیات کی حامل تھی۔ وہ بڑی ہی باوقار اور محبت کرنے والی خاتون تھی۔ وہ میری والدہ کے ہمراہ وقتاً فوقتاً دارالامان میں آتی اور خاصا وقت میرے پاس گزارتی۔ اِس کے رویے میں ایک

# سرزمین موسیٰ

(مولانا محمد الیاس اظہر الازہری)

## جامع الازہر

یہ مسجد مشہور فاطمی خلیفہ المعز الدین اللہ کیلئے جوہر الصقلی نے 259ھ تا 261ھ تین سال
بنوائی۔ اِس مسجد کے صحن کی لمبائی 61 کرم اور چوڑائی 29 کرم ہے۔ اِس کے چاروں
برآمدہ ہے۔ جو 67 ستونوں پر کھڑا ہے۔ یہ تمام ستون سنگ مرمر کے ہیں۔ مسجد کا پرانا ہال
مرمر کے چالیس اور سنگ خارا کے بیس ستونوں پر ایستادہ ہے۔ اِس ہال کی لمبائی ساڑھے
کرم اور چوڑائی تقریباً اکسٹھ فٹ ہے جو کہ پندرہ صفوں پر مشتمل ہے۔ نیا ہال اکسٹھ کرم لمبا اور
صفیں چوڑا ہے۔ مسجد کی دو چھوٹی اور دو بڑی محرابیں ہیں۔ پوری عمارت محرابی ڈاٹوں اور پتھر
نوں پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک بڑا قبہ یا گنبد ہے اور پانچ مینار جن میں سے ایک ڈبل مینار
دسرے سنگل ہیں۔ تمام ستونوں کو ساگوان کی لکڑی کے بڑے شہتیروں سے باہم جوڑ دیا گیا
ں مسجد کے مین گیٹ کے ساتھ ہی اندر کی طرف ایک بورڈ نصب ہے جس پر مختلف رنگ دار
کی مدد سے پوری مسجد کا نقشہ بنایا گیا ہے اور عربی انگریزی زبانوں میں مندرجہ ذیل عبارت
گئی ہے۔ اس وقت مسجد کا کل رقبہ 11500 مربع میٹر محیط ہے۔

صحن الجامع رواق یعنی برآمدے اور طالب علموں کی درسگاہ۔ سلم السطح (یعنی سطح مرکزی ہال)
الیوان عبدالرحمان کتخدا (یعنی عبدالرحمٰن کتخدا کی طرف سے تعمیر شدہ اضافی ہال) مدفن نفیسة
یہ (نفسیہ بکریہ کی قبر) مدخل (داخلہ کی ڈیوڑھی) الرواق العباسی (عباس برآمدہ) درسگاہ اِس
جامع ازہر کے صحن کے چاروں طرف رواق ہے جہاں طلبہ رہائش پذیر تھے اور آج بھی
یہ رواق تعداد میں کل 37 ہیں جن کے الگ الگ نام ہیں۔ یہ اسی طرح کے کمرے ہیں
بادشاہی مسجد کے صحن کے تین طرف ہیں اور آج کل ان میں علماء اکیڈمی قائم ہے۔ المدرسة
یبرسیہ 709ھ المدرسة الاقبغاویہ 740ھ المدرسة الجوہریہ 844ھ باب السلطان
تبائی 873ھ باب المزینیین 1167ھ مدفن عبدالرحمان کتخدا 1167ھ (عبدالرحمٰن کتخدا کی
ہر) باب الصاعایدة 1167ھ، مندرجہ بالا معلومات مسجد الازہر (جو کہ جامع الازہر کہلاتی ہے)
کے بارے میں ہیں۔ بعد کو جب اسے یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا اور جامعہ الازہر کی عمارت اس کے

متصل تعمیر ہوئی تو پھر الازہر یونیورسٹی کہلانے لگی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کے تحت ہزاروں انسٹی ٹیوٹ جو کہ معاہد الازہریہ کہلاتی ہیں۔ ہزاروں سکول اور تحفیظ قرآن کے مدارس۔ پورے ملک کی تقریباً سب مساجد بے شمار کالج ہیں۔ ہم نے مندرجہ ذیل کالجوں کے دورے کئے اور طلبہ و اساتذہ سے خوب گھل مل کر مجالس کیں۔

کلیة الغةالعربیه. کلیة اصول الدین. کلیته الشریعته و القانون. کلیته الطب للبنین. کلیته الطب للبنات. کلیته اللغات و الترجمته. معهد اللغته العربیتهo

فاروقی صاحب نے سید عبدالخالق شاہ صاحب، برادر مولانا عبدالقادر آزاد صاحب خطیب بادشاہی مسجد لاہور سے ملنا تھا جو کہ جامعہ ازہر کے کلیۃ اللغات میں بطور نائب شعبہ اُردو متعین ہیں اور اس وقت مولانا محمد الیاس صاحب مرحوم بانی تبلیغی جماعت پر دکتورہ (ڈاکٹریٹ) کر رہے تھے۔ لہٰذا شاہ صاحب سے ملنے پرانی جامعہ ازہر پہنچے وہاں ان کی تلاش میں کلیۃ اللغتہ العربیہ (عربی کالج) اور کلیۃ اصول الدین کا کونا کونا چھان مارا۔ تیسرا کلیۃ القانون والشریعہ (لاء کالج) بھی سرسری دیکھا مگر شاہ صاحب نہ مل سکے۔ وہاں سے ایک صاحب نے پوچھا دکتور عبدالخالق سے ملنا چاہتے ہیں؟ ہم نے اثبات میں جواب دیا تو بولے وہ کلیۃ اللغات والترجمہ کے شعبہ اُردو میں ہیں اور وہاں جانے کیلئے تمہیں بذریعہ بس پہلے ''مدینۃ النصر'' میں جانا پڑے گا۔ ''مدینۃ النصر'' دراصل مشرقی صحراء میں ایک جدید شہر تعمیر کیا گیا ہے جسے آپ ماڈل ٹاؤن کہہ سکتے ہیں۔ یہ شہر بڑا خوبصورت اور جدید فلیٹوں، مارکیٹوں اور پلازوں پر مشتمل ہے اور اس وقت قاہرہ کا ایک حصہ ہے۔ پرانے قبرستان کے شمال مشرقی کونے کے بعد عیسائیوں کا قبرستان ہے۔ بس اس کے بعد ساتھ ہی ''مدینہ نصر'' شروع ہو جاتا ہے۔ آخر کار ہم مدینۃ النصر پہنچے اور پوچھتے پچھاتے نیو کیمپس میں پہنچ ہی گئے۔ عمارتیں یونیورسٹی کے نیو کیمپس کو شرماتی ہیں۔ جدید ترین سہولیات سے آراستہ کلیات اور ان کے شعبے اور طلبہ کے ہاسٹل قابل دید ہیں۔ ہم نے ایک بڑی عمارت کے تہہ خانے میں جو کہ کلیۃ اللغات کی عمارت تھی کئی زبانوں کے شعبے دیکھے۔ شعبہ ترکی، شعبہ فارسی، شعبہ فرانسیسی، شعبہ انگریزی اور شعبہ اُردو وغیرہ۔ شعبہ اُردو کے ہیڈ ڈاکٹر غلام محی الدین تھے جو دکتور محی الدین کہلاتے ہیں۔ ان سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پر مغزبات چیت رہی ساتھ ہی ایک اور مصری دکتور بھی آ گئے جو شعبہ فارسی کے انچارج تھے اور مجھ سے تھوڑی دیر فارسی میں بھی بات

زنگ آلود پتریوں والی شکستہ اور بوسیدہ کھڑکی سے سڑک کی طرف فٹ پاتھ پر سے کھڑے کھڑے دیکھا اور فاتحہ پڑھی۔ اِس سے آگے مسجد امام شافعی دیکھی جو فن تعمیر کا عمدہ نمونہ تھی۔ سب سے بڑھ کر مسجد کے صدر دروازے سے داخل ہوتے ہی بالکل سامنے محراب کے بالمقابل پہلے امام شافعی کا عظیم الشان مزار ہے جسکا گنبد بڑا اعالی شان اور خوبصورت ہے نیز اس پر بیل بوٹے بالکل اپنی مسجد وزیر خان کی طرح کے محسوس ہوئے۔ قبر کے اوپر لکڑی کا مستطیل بہت بڑا تابوت سا بنا کر رکھا گیا ہے جس کو تراش کر بہت خوبصورت کام کیا گیا ہے اور لکڑی کی جالیاں سی بنی ہوئی ہیں جیسے اپنے شالامار باغ کی بارہ دریوں میں سنگ مرمر کی جالیاں ہیں۔ مسجد کے امام صاحب جو مزار امام شافعی کے مجاور بھی ہیں بڑے تپاک سے ملے۔ ان کی آنکھیں نیلی اور رنگ ایسے سفید تھا جیسے پھلبہری والوں کا ہوتا ہے۔ انہوں نے پہلے تو بخشیش طلب کی مگر ہم نے کہا کہ ہم سیاح نہیں بلکہ الازہر کے طالب علم ہیں تو کہنے لگے چلو کوئی عطر کی شیشی وغیرہ ہی دے دو مگر ہم نے کہا کہ بابا ہم تو امام شافعی کے مزار پر فاتحہ پڑھنے آئے ہیں کوئی عطر فروش تھوڑے ہیں؟ بہر حال وہاں سے فارغ ہوئے تو تین چار بھکاری عورتوں نے گھیر لیا جن سے بڑی مشکل جان چھڑائی۔

## مسجد عقبہ بن عامرؓ

اِس سے آگے محلے کے تقریباً اختتام پر ایک چھوٹی سے مسجد کی زیارت کی جس کے اندر بائیں جانب حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ مشہور صحابی رسول ﷺ صاحب لواء رسول ﷺ (یعنی حضور ﷺ کے علمدار) کا مزار مبارک ہے اس کی زیارت سے آنکھوں کو ٹھنڈا کیا اور ایک صحابیؓ کے قرب سے بہت سرور ملا اور اِسی طرح دل کو سکون اور فرحت نصیب ہوئی جس طرح قلعہ صلاح الدین کے اندر حضرت ساریہؓ الجبل کے مزار پر ہوئی تھی۔ اِسی راستے واپسی پر ایک صاحب نے بتایا کہ قریب ہی امام ابو اللیث کا مزار بھی ہے چنانچہ وہاں پہنچے اور ایک وسیع احاطے کے اندر امام صاحب کے خوبصورت مزار کے ساتھ اور بھی کئی مزارات پر فاتحہ خوانی کی یہاں مجاوروں کے ایک غول نے ہمیں گھیر لیا مگر ہم نے بڑی مشکل جان چھڑائی۔ یہ لوگ تو کپڑے بھی اُتار لینے پر آمادہ تھے۔ اپنے وطن عزیز میں بھی بے شمار مزار ہیں مگر ان پر کبھی کسی نے ایسا سلوک نہیں کیا۔ ایک بات پر بڑا تعجب اور دُکھ بھی ہوا کہ مصریوں نے امام وکیع کے ساتھ ایسا سلوک کیوں روا رکھا کہ ان کی

چیت کی۔ ڈاکٹر محی الدین پچیس برس قبل لاہور سے مصر آ گئے تھے۔ شادی مصر میں ہی کی اور اب مصری شہری ہیں اگرچہ حقوق شہریت غیر مصریوں کو نہیں ملتے خواہ وہ کئی نسلوں سے یہاں رہ رہے ہوں۔ یہ بزرگ کلین شیو ہیں اور سوٹڈ بوٹڈ ہیں۔ آبائی وطن انبالہ بتاتے تھے اور اُردو، پنجابی ،مصری، عربی بڑی روانی سے بولتے ہیں۔ شاہ صاحب سے تو ملاقات نہ ہو سکی کیونکہ وہ آج کالج نہیں آئے تھے مگر اِن اساتذہ کرام کے علاوہ شعبہ اُردو کے طلبہ سے ملاقات ہوئی یہاں کے دو طالب علم مسلسل ہمارے کیمپس ''مدینہ البعوث'' میں آتے رہے اور ایک بار انہوں نے زبردستی ہمیں اپنے گاؤں مہمان بنایا اور اس طرح ہم مصر کے دیہاتی علاقے بھی دیکھ سکے اور تصویر کے دونوں رُخ دیکھنے کا موقع ملا۔ مدینۃ البعوث سے مدینہ النصر بس نمبر آٹھ جاتی ہے۔ نمازِ ظہر مدینۃ البعوث کی مسجد میں ادا کر کے بس نمبر 666 کے ذریعے قلعہ صلاح الدین کے سٹاپ پر اُتر گئے۔

## مسجد الغوری

آج ہم پانچ دوست (یعنی فاروقی صاحب، ڈاکٹر خالد محمود سومرو صاحب، کیپٹن عبدالحق، کیپٹن عبدالغفار اور راقم الحروف)، اِس زیارتی سفر میں شریک تھے۔ چنانچہ پہلے تو قلعہ سے باہر والے باغیچے میں فوٹو گرافی کی گئی پھر مختلف مساجد کی زیارت کیلئے روانہ ہوئے۔ قلعہ سے مغربی جانب بالکل قلعے کے قریب ہی پہلی مسجد کے بورڈ پر نظر پڑی یہ مسجد چھوٹی سی ہے اور اسے قانصوہ القانصوہ الغوری نے تعمیر کرایا تھا اِسی لئے اس کا نام ''مسجد الغوری'' ہے۔ یہ مسجد ہم نے اندر سے دیکھی تو دو بے سرے بے ڈھنگے مصری ہمارے آگے پیچھے منڈلانے لگے اور بخشیش کی لالچ میں انہوں نے مسجد کی زیارت میں مدد بھی کی مگر ہم نے انہیں مایوس کیا اور آگے بڑھ گئے۔

## مسجد امام شافعی

آگے ایک چوک آیا جس سے ہم بائیں جانب محلہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مڑ گئے۔ سیاحت کیلئے پیدل سفر بہت کارآمد ہوتا ہے۔ چنانچہ پہلے پہل سڑک کے دائیں جانب قبرستان کے حصے میں امام وکیع کا کتبہ پڑھا۔ غور سے دیکھا تو تقریباً چھ مربع فٹ کا آٹھ فٹ اونچا کمرہ سا دکھائی دیا جس کے اندر امام شافعی کے اُستاد محترم حضرت امام وکیع کی قبر تھی جسے ہم نے لوہے کی

مرقد ایک عام مصری سے بھی کمتر حالت میں تھی۔ مگران کے شاگرد رشید امام شافعی کے مزار پُر انور پر کسی بادشاہ کے مقبرہ ہونے کا شک پڑتا تھا۔ حالانکہ امام وکیع کے متعلق خود امام شافعی کے مندرجہ ذیل اشعار ان کے عظمت شان کی دلیل ہیں۔

**شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی لان العلم نور من الہ و نور اللّٰہ لا یوتی لعاصی۔**

یعنی میں نے اپنے اُستادِ محترم امام وکیع کی خدمت میں اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی (حالانکہ امام شافعی کا حافظہ ضرب المثل ہے) تو انہوں نے مجھے گناہوں سے اجتناب کی ہدایت کی اور ساتھ ہی فرمایا کہ بھئی علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور کسی گنہگار نافرمان کو نہیں دیا جاتا بہرحال یہ مصریوں کا اپنا معاملہ ہے وہ چونکہ مسلکاً شوافع ہیں اور امام وکیع حنفی تھے اِس لئے ہوسکتا ہے کہ اس طرف توجہ نہ دے سکے ہوں۔ یہاں سے فارغ ہو کر واپس اسی چوک میں آئے جہاں سے محلہ امام شافعی میں داخل ہوئے تھے۔

## مسجد سیدۃ عائشہ

یہاں سے اِس سڑک کے دائیں جانب جو کہ نیل کی طرف جاتی ہے (اور جس پر قلعہ صلاح الدین کو پانی مہیا کرنے والی دیوار مجری العیون واقع ہے) بالکل چوک میں ایک بڑی مسجد اور مزار ہے۔ اندر جا کر لوح مزار پڑھی تو پتہ چلا کہ حضرت امام جعفر صادق کی صاحبزادی حضرت سیدہ عائشہ کا مزار ہے۔ وہاں یہ عربی عبارت تحریر تھی۔

**ہذا مقام السیدۃ عائشتہ العابدۃ القانتہ المجاھدۃ بنت جعفر الصادق بن الامام محمد الباقر بنی الامام علی زین العابدین بن الامام علی ابن ابی طالب زوج السیدۃ فاطمۃ الزھرا بنت رسول اللّٰہ۔**

ہم بہت خوش ہوئے کہ بغیر کسی گائیڈ کے اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کے مزارات پر فاتحہ خوانی کا شرف بخشا۔ (جاری ہے)

# بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک و تصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔
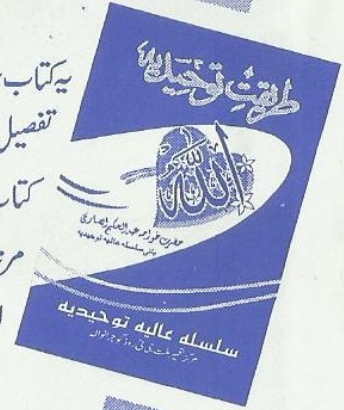
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
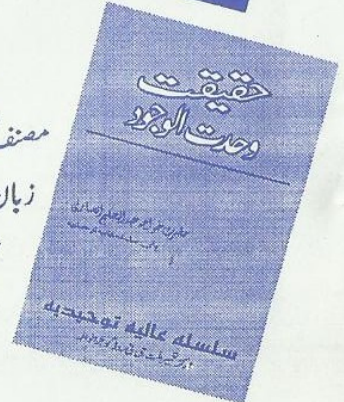
# مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

## مقصودِ حیات

مصنف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو اُنہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندہ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔
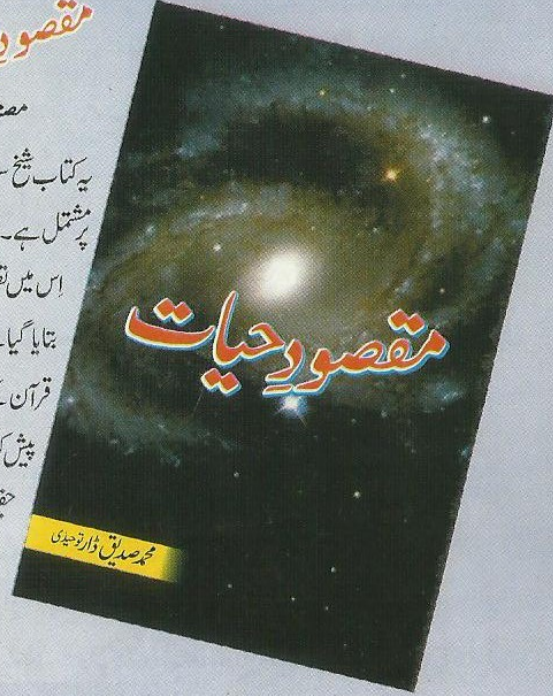
## فرموداتِ فقیر

مرتب: میاں علی رضا

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خاںؒ کی سوانح حیات کیساتھ اس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔
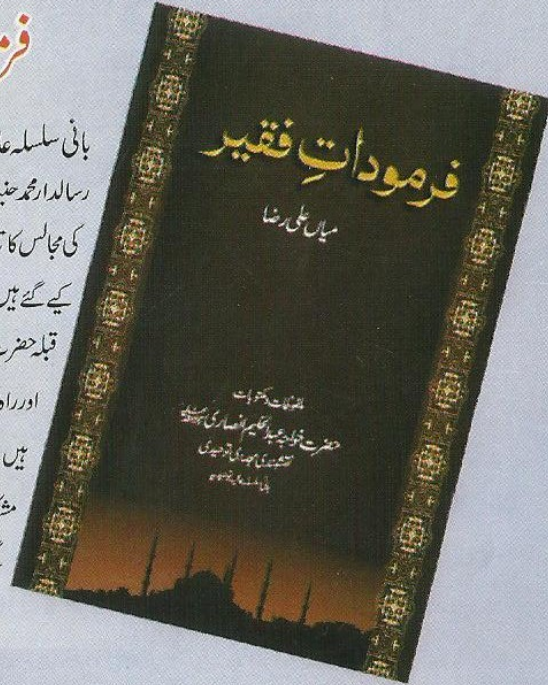

**Reg: SR - 01**

**Website: www.toheedia.net**